QuranUrdu.com

تفہیم القرآن

محمد

(۴۷)

QuranUrdu.com

محمد

نام آیت نمبر ۲ کے فقرے وَاٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ سے ماخوذ ہے۔ مراد یہ ہے کہ یہ وہ سورت ہے جس میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کا اسمِ گرامی آیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کا ایک اور مشہور نام ''قِتال'' بھی ہے، جو آیت نمبر ۲۰ کے فقرے وَذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ سے ماخوذ ہے۔

زمانۂ نزول اِس کے مضامین یہ شہادت دیتے ہیں کہ یہ ہجرت کے بعد مدینۂ طیّبہ میں اُس وقت نازل ہوئی تھی جب جنگ کا حکم تو دیا جا چکا تھا مگر ابھی جنگ عملاً شروع ہوئی نہ تھی۔ اس کے مفصّل دلائل آگے حاشیہ ۸ میں ملیں گے۔

تاریخی پسِ منظر جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی ہے، اُس وقت صورت حال یہ تھی کہ مکّۂ معظّمہ میں خاص طور پر اور عرب کی سرزمین میں بالعُموم ہر جگہ مسلمانوں کو ظلم و ستم کا نشانہ بنایا جا رہا تھا اور ان پر عرصۂ حیات تنگ کر دیا گیا تھا۔ مسلمان ہر طرف سے سمٹ کر مدینۂ طیّبہ کے دار الامان میں جمع ہو گئے تھے، مگر کفارِ قریش یہاں بھی ان کو چین سے بیٹھنے دینے کے لیے تیار نہ تھے۔ مدینے کی چھوٹی سی بستی ہر طرف سے کفار کے نرغے میں گھِری ہوئی تھی اور وہ اسے مٹا دینے پر تُلے ہوئے تھے۔ مسلمانوں کے لیے اِس حالت میں دو ہی چارۂ کار باقی رہ گئے تھے: یا تو وہ دینِ حق کی دعوت و تبلیغ ہی سے نہیں بلکہ اس کی پیروی تک سے دست بردار ہو کر جاہلیّت کے آگے سپَر ڈال دیں، یا پھر مرنے مارنے کے لیے اُٹھ کھڑے ہوں اور سر دھڑ کی بازی لگا کر ہمیشہ کے لیے اس امر کا فیصلہ کر دیں کہ عرب کی سرزمین میں اسلام کو رہنا ہے یا جاہلیت کو۔ اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر مسلمانوں کو اُسی عزیمت کی راہ دکھائی جو اہلِ ایمان کے لیے ایک ہی راہ ہے۔ اُس نے پہلے سورۂ حج (آیت ۳۹) میں ان کو جنگ کی اجازت دی، اور پھر سورۂ بقرہ (آیت ۱۹۰) میں اس کا حکم دے دیا۔ مگر اُس وقت ہر شخص جانتا تھا کہ اِن حالات میں جنگ کے معنٰی کیا ہیں۔ مدینے میں اہلِ ایمان کی ایک مٹھی بھر جمعیّت تھی، جو پورے ایک ہزار مردانِ جنگی بھی فراہم کرنے کے قابل نہ تھی، اور اس سے کہا جا رہا تھا کہ سارے عرب کی جاہلیّت سے ٹکرا جانے کے لیے تلوار لے کر کھڑی ہو جائے۔ پھر لڑائی کے لیے جس سر و سامان کی ضرورت تھی، وہ اپنا پیٹ کاٹ کر بھی ایک ایسی بستی مشکل ہی سے فراہم کر سکتی تھی جس کے اندر سیکڑوں بے خانماں مہاجر ابھی پوری طرح بسے بھی نہ تھے، اور چاروں طرف سے اہلِ عرب نے مَعاشی مُقاطَعہ کر کے اُس کی کمر توڑ رکھی تھی۔

QuranUrdu.com

موضوع اور مضمون

یہ حالات تھے جن میں یہ سورت نازل فرمائی گئی۔ اس کا موضوع اہلِ ایمان کو جنگ کے لیے تیار کرنا اور ان کو اِس سلسلے میں ابتدائی ہدایات دینا ہے۔ اسی مناسبت سے اس کا نام سورۂ قِتال بھی رکھا گیا ہے۔ اس میں ترتیب وار حسبِ ذیل مضامین ارشاد ہوئے ہیں:

آغاز میں بتایا گیا ہے کہ اِس وقت دو گروہوں کے درمیان مقابلہ درپیش ہے۔ ایک گروہ کی پوزیشن یہ ہے کہ وہ حق کو ماننے سے انکار کر چکا ہے اور اللہ کے راستے میں سدِّراہ بن کر کھڑا ہو گیا ہے۔ اور دوسرے گروہ کی پوزیشن یہ ہے کہ وہ اُس حق کو مان گیا ہے جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اُس کے بندے محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوا تھا۔ اب اللہ تعالیٰ کا دوٹوک فیصلہ یہ ہے کہ پہلے گروہ کی تمام سعی وعمل کو اس نے رائگاں کر دیا، اور دوسرے گروہ کے حالات دُرست کر دیے۔

اس کے بعد مسلمانوں کو ابتدائی جنگی ہدایات دی گئی ہیں، ان کو اللہ کی مدد اور رہنمائی کا یقین دلایا گیا ہے، ان کو اللہ کی راہ میں قربانیاں کرنے پر بہترین اجر کی اُمید دلائی گئی ہے، اور انھیں اطمینان دلایا گیا ہے کہ راہِ حق میں ان کی کوششیں رائگاں نہ جائیں گی، بلکہ دنیا سے لے کر آخرت تک وہ ان کا اچھے سے اچھا پھل پائیں گے۔

پھر کفار کے متعلق بتایا گیا ہے کہ وہ اللہ کی تائید و رہنمائی سے محروم ہیں۔ ان کی کوئی تدبیر اہلِ ایمان کے مقابلے میں کارگر نہ ہوگی، اور وہ دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی بہت بُرا انجام دیکھیں گے۔ انھوں نے اللہ کے نبی کو مکّے سے نکال کر یہ سمجھا کہ انھیں بڑی کامیابی نصیب ہوئی ہے، حالانکہ دراصل یہ کام کر کے انھوں نے اپنی تباہی کو خود اپنے اُوپر دعوت دے دی۔

اس کے بعد منافقین کی طرف رُوئے سُخن پھرتا ہے، جو جنگ کا حکم آنے سے پہلے تو بڑے مسلمان بنے پھرتے تھے، مگر یہ حکم آجانے کے بعد ان کے ہوش اُڑ گئے تھے، اور وہ اپنی عافیت کی فکر میں کفار سے سازباز کرنے لگے تھے، تاکہ اپنے آپ کو جنگ کے خطرات سے بچالیں۔ ان کو صاف صاف خبردار کیا گیا ہے کہ اللہ اور اس کے دین کے معاملے میں منافقت اختیار کرنے والوں کا کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہے۔ یہاں تو بنیادی سوال، جس پر تمام مُدّعیانِ ایمان کی آزمایش ہو رہی ہے، یہ ہے کہ آدمی حق کے ساتھ ہے یا باطل کے ساتھ؟ اس کی ہمدردیاں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ ہیں یا کفر اور کفار کے ساتھ؟ وہ اپنی ذات اور اپنے مفاد کو عزیز رکھتا ہے یا اُس حق کو جس پر ایمان لانے کا وہ دعویٰ کر رہا ہے؟ اِس آزمایش میں جو شخص کھوٹا نکلتا ہے، وہ مومن ہی نہیں ہے، کجا کہ اس کی نماز اور اس کا روزہ اور اس کی زکوٰۃ خدا کے ہاں کسی اجر کی مستحق ہو۔

پھر مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنی قلّتِ تعداد اور بے سروسامانی، اور کفار کی کثرت اور اُن کے سروسامان کی فراوانی دیکھ کر ہمت نہ ہاریں، اُن کے آگے صلح کی پیش کش کر کے کمزوری کا اظہار

QuranUrdu.com

نہ کریں، جس سے اُن کی جرأتیں اسلام اور مسلمانوں کے مقابلے میں اور زیادہ بڑھ جائیں، بلکہ اللہ کے بھروسے پر اُٹھیں اور کفر کے اِس پہاڑ سے ٹکرا جائیں۔ اللہ مسلمانوں کے ساتھ ہے۔ وہی غالب رہیں گے اور یہ پہاڑ ان سے ٹکرا کر پاش پاش ہو جائے گا۔

آخر میں مسلمانوں کو اِنفاق فی سبیل اللہ کی دعوت دی گئی ہے۔ اگرچہ اُس وقت مسلمانوں کی مَعاشی حالت بہت پتلی تھی، مگر سامنے مسئلہ یہ درپیش تھا کہ عرب میں اسلام اور مسلمانوں کو زندہ رہنا ہے یا نہیں۔ اس مسئلے کی اہمیّت ونزاکت کا تقاضا یہ تھا کہ مسلمان اپنے آپ کو اور اپنے دین کو کفر کے غلبے سے بچانے اور اللہ کے دین کو غالب کرنے کے لیے اپنی جانیں بھی لڑائیں اور جنگی تیاری میں اپنے مالی وسائل بھی پوری اِمکانی حد تک کھپا دیں۔ اس لیے مسلمانوں سے فرمایا گیا کہ اِس وقت جو شخص بھی بخل سے کام لے گا، وہ دراصل اللہ کا کچھ نہ بگاڑے گا، بلکہ خود اپنے آپ ہی کو ہلاکت کے خطرے میں ڈال لے گا۔ اللہ تو انسانوں کا محتاج نہیں ہے۔ اس کے دین کی خاطر قربانیاں دینے سے ایک گروہ اگر جی چُرائے گا تو اللہ اسے ہٹا کر دُوسرا گروہ اس کی جگہ لے آئے گا۔

QuranUrdu.com

آیاتہا ۳۸ | سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَّدَنِیَّۃٌ | رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ①

جن لوگوں نے کفر کیا[1] اور اللہ کے راستے سے روکا[2]، اللہ نے ان کے اعمال کو رائگاں کر دیا۔[3]

۱ — یعنی اُس تعلیم و ہدایت کو ماننے سے انکار کر دیا جسے محمد صلی اللہ علیہ وسلّم پیش فرما رہے تھے۔

۲ — اصل میں صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰهِ کے الفاظ ارشاد ہوئے ہیں۔ صَدّ عربی زبان میں لازم اور مُتعدِّی، دونوں طرح استعمال ہوتا ہے۔ اس لیے اِن الفاظ کا مطلب یہ بھی ہے کہ وہ خود اللہ کے راستے پر آنے سے باز رہے، اور یہ بھی کہ انھوں نے دوسروں کو اس راہ پر آنے سے روکا۔

دوسروں کو خدا کی راہ سے روکنے کی بہت سی صورتیں ہیں۔ اِس کی ایک صورت یہ ہے کہ آدمی زبردستی کسی کو ایمان لانے سے روک دے۔ دوسری صورت یہ کہ وہ ایمان لانے والوں پر ایسا ظلم وستم ڈھائے کہ اُن کے لیے ایمان پر قائم رہنا اور دوسروں کے لیے ایسے خوفناک حالات میں ایمان لانا مشکل ہو جائے۔ تیسری صورت یہ کہ وہ مختلف طریقوں سے دین اور اہلِ دین کے خلاف لوگوں کو ورغلائے اور ایسے وسوسے دلوں میں ڈالے جس سے لوگ اِس دین سے بدگمان ہو جائیں۔ اس کے علاوہ ہر کافر اس معنیٰ میں خدا کی راہ سے روکنے والا ہے کہ وہ اپنی اولاد کو کفر کے طریقے پر پرورش کرتا ہے اور پھر اس کی آیندہ نسل کے لیے دینِ آبائی کو چھوڑ کر اسلام قبول کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ اسی طرح ہر کافر معاشرہ خدا کے راستے میں ایک سنگِ گراں ہے، کیونکہ وہ اپنی تعلیم و تربیت سے، اپنے اجتماعی نظام اور رسم و رواج سے، اور اپنے تعصّبات سے دینِ حق کے پھیلنے میں شدید رکاوٹیں ڈالتا ہے۔

۳ — اصل الفاظ ہیں: اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ۔ اُن کے اعمال کو بھٹکا دیا، گمراہ کر دیا، ضائع کر دیا۔ یہ الفاظ بڑے وسیع مفہوم کے حامل ہیں۔ ان کا ایک مطلب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُن سے یہ توفیق سلب کر لی کہ اُن کی کوششیں اور محنتیں صحیح راستے میں صَرف ہوں۔ اب وہ جو کچھ بھی کریں گے، غلط مقاصد کے لیے غلط طریقوں ہی سے کریں گے، اور ان کی تمام سعی و جُہد ہدایت کے بجائے ضلالت ہی کی راہ میں صَرف ہوگی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جو کام اپنے نزدیک وہ خیر کے کام سمجھ کر کرتے رہے ہیں، مثلاً خانۂ کعبہ کی نگہبانی، حاجیوں کی خدمت، مہمانوں کی ضیافت، رشتہ داروں کے ساتھ صلۂ رحمی، اور ایسے ہی دوسرے کام جنھیں عرب میں مذہبی خدمات اور مَکارِمِ اخلاق میں شمار کیا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے ان سب کو ضائع کر دیا۔ اُن کا کوئی اجر و ثواب اُن کو نہ ملے گا، کیونکہ جب وہ اللہ کی توحید اور صرف

QuranUrdu.com

وَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ وَ اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى
مُحَمَّدٍ وَّ هُوَ الْحَقُّ مِنْ رَّبِّهِمْ ۙ كَفَّرَ عَنْهُمْ سَيِّاٰتِهِمْ وَ اَصْلَحَ بَالَهُمْ ②
ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَ اَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا

اور جو لوگ ایمان لائے اور جنھوں نے نیک عمل کیے اور اُس چیز کو مان لیا جو محمدؐ پر نازل ہوئی ہے[۴]۔
اور وہ سراسر حق ہے اُن کے رب کی طرف سے ۔۔۔ اللہ نے ان کی بُرائیاں اُن سے دُور کر دیں[۵] اور ان کا
حال دُرست کر دیا[۶]۔ یہ اس لیے کہ کفر کرنے والوں نے باطل کی پیروی کی اور ایمان لانے والوں نے

اُسی کی عبادت کا طریقہ اختیار کرنے سے انکار کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی اِس راہ پر آنے سے روکتے ہیں، تو ان کا کوئی عمل بھی اللہ کے ہاں مقبول نہیں ہو سکتا۔ تیسرا مطلب یہ ہے کہ راہِ حق کو روکنے اور اپنے کافرانہ مذہب کو عرب میں زندہ رکھنے کے لیے جو کوششیں وہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مقابلے میں کر رہے ہیں، اللہ نے ان کو رائگاں کر دیا۔ ان کی ساری تدبیریں اب محض ایک تیرِ بے ہدف ہیں۔ ان تدبیروں سے وہ اپنے مقصد کو ہرگز نہ پہنچ سکیں گے۔

۴ – اگرچہ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا کہنے کے بعد اٰمَنُوْا بِمَا نُزِّلَ عَلٰى مُحَمَّدٍ کہنے کی حاجت باقی نہیں رہتی، کیونکہ ایمان لانے میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ پر نازل ہونے والی تعلیمات پر ایمان لانا آپ سے آپ شامل ہے، لیکن اس کا الگ ذکر خاص طور پر یہ جتانے کے لیے کیا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے مبعوث ہو جانے کے بعد کسی شخص کا خدا اور آخرت اور پچھلے رسولوں اور پچھلی کتابوں کو ماننا بھی اُس وقت تک نافع نہیں ہے جب تک کہ وہ آپؐ کو اور آپؐ کی لائی ہوئی تعلیمات کو نہ مان لے۔ یہ تصریح اس لیے ضروری تھی کہ ہجرت کے بعد اب مدینہ طیبہ میں اُن لوگوں سے بھی سابقہ درپیش تھا جو ایمان کے دوسرے تمام لوازم کو تو مانتے تھے، مگر محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت کو ماننے سے انکار کر رہے تھے۔

۵ – اس کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ جاہلیت کے زمانے میں جو گناہ ان سے سرزد ہوئے تھے، اللہ تعالیٰ نے وہ سب ان کے حساب سے ساقط کر دیے۔ اب اُن گناہوں پر کوئی باز پُرس ان سے نہ ہوگی۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ عقائد اور خیالات اور اخلاق اور اعمال کی جن خرابیوں میں وہ مبتلا تھے، اللہ تعالیٰ نے وہ اُن سے دُور کر دیں۔ اُن کے ذہن بدل گئے، اُن کے عقائد اور خیالات بدل گئے، اُن کی عادتیں اور خصلتیں بدل گئیں، ان کی سیرتیں اور ان کے کردار بدل گئے۔ اب اُن کے اندر جاہلیت کی جگہ ایمان ہے، اور بدکرداریوں کی جگہ عملِ صالح۔

۶ – اس کے بھی دو مطلب ہیں۔ ایک یہ کہ پچھلی حالت کو بدل کر آیندہ کے لیے اللہ نے ان کو صحیح راستے پر ڈال دیا اور ان کی زندگیاں سنوار دیں۔ اور دوسرا مطلب یہ کہ جس کمزوری و بے بسی اور مظلومی کی حالت میں وہ اب

ٱتَّبَعُوا ٱلْحَقَّ مِن رَّبِّهِمْ ۚ كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ ٱللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَٰلَهُمْ ③ فَإِذَا
لَقِيتُمُ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ فَضَرْبَ ٱلرِّقَابِ ۚ حَتَّىٰٓ إِذَآ أَثْخَنتُمُوهُمْ
فَشُدُّوا۟ ٱلْوَثَاقَ ۙ فَإِمَّا مَنًّۢا بَعْدُ وَإِمَّا فِدَآءً حَتَّىٰ تَضَعَ ٱلْحَرْبُ أَوْزَارَهَا ۚ مع ۱۳

وقف بینہما یقرأ ذٰلِکَ لکن حسن اتصالہ بما قبلہ یوقف علی ذٰلِکَ

اُس حق کی پیروی کی جو ان کے رب کی طرف سے آیا ہے۔ اِس طرح اللہ لوگوں کو اُن کی ٹھیک ٹھیک حیثیت بتائے دیتا ہے[7]۔

پس جب اِن کافروں سے تمھاری مُڈ بھیڑ ہو تو پہلا کام گردنیں مارنا ہے، یہاں تک کہ جب تم ان کو اچھی طرح کُچل دو تب قیدیوں کو مضبوط باندھو، اس کے بعد (تمھیں اختیار ہے) احسان کرو یا فدیے کا معاملہ کرلو، تا آنکہ لڑائی اپنے ہتھیار ڈال دے[8]۔

تک مبتلا تھے، اللہ تعالیٰ نے اُن کو اُس سے نکال دیا ہے۔ اب اُس نے ایسے حالات ان کے لیے پیدا کر دیے ہیں جن میں وہ ظلم سہنے کے بجائے ظالموں کا مقابلہ کریں گے، محکوم ہو کر رہنے کے بجائے اپنی زندگی کا نظام خود آزادی کے ساتھ چلائیں گے، اور مغلوب ہونے کے بجائے غالب ہو کر رہیں گے۔

۷- اصل الفاظ ہیں: كَذَٰلِكَ يَضْرِبُ ٱللَّهُ لِلنَّاسِ أَمْثَٰلَهُمْ۔ اس فقرے کا لفظی ترجمہ تو یہ ہے کہ ”اس طرح اللہ لوگوں کے لیے ان کی مثالیں دیتا ہے۔“ لیکن اس لفظی ترجمے سے اصل مفہوم واضح نہیں ہوتا۔ اصل مفہوم یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اِس طرح فریقین کو ان کی پوزیشن ٹھیک ٹھیک بتائے دیتا ہے۔ ایک فریق باطل کی پیروی پر مُصِرّ ہے، اس لیے اللہ نے اس کی ساری سعی و عمل کو لاحاصل کر دیا ہے۔ اور دوسرے فریق نے حق کی پیروی اختیار کی ہے اس لیے اللہ نے اُس کو بُرائیوں سے پاک کر کے اس کے حالات دُرست کر دیے ہیں۔

۸- اِس آیت کے الفاظ سے بھی، اور جس سِیاق و سَباق میں یہ آئی ہے اُس سے بھی، یہ بات صاف معلوم ہوتی ہے کہ یہ لڑائی کا حکم آ جانے کے بعد اور لڑائی شروع ہونے سے پہلے نازل ہوئی ہے۔ ”جب کافروں سے تمھاری مُڈ بھیڑ ہو“ کے الفاظ اس پر دلالت کرتے ہیں کہ ابھی مُڈ بھیڑ ہوئی نہیں ہے اور اس کے ہونے سے پہلے یہ ہدایت دی جا رہی ہے کہ جب وہ ہو تو کیا کرنا چاہیے۔

آگے آیت ۲۰ کے الفاظ اِس امر کی شہادت دے رہے ہیں کہ یہ سورت اُس زمانے میں نازل ہوئی تھی جب سورۂ حج کی آیت ۳۹، اور سورۂ بقرہ کی آیت ۱۹۰ میں لڑائی کا حکم آ چکا تھا اور اس پر خوف کے مارے مدینے کے منافقین اور ضعیف الایمان لوگوں کا حال یہ ہو رہا تھا کہ جیسے اُن پر موت چھا گئی ہو۔

QuranUrdu.com

اِس کے علاوہ سورۂ اَنفال کی آیات ۶۷-۶۹ بھی اِس بات پر شاہد ہیں کہ یہ آیت جنگِ بدر سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ وہاں ارشاد ہوا ہے کہ:

"کسی نبی کے لیے یہ زیبا نہیں ہے کہ اس کے پاس قیدی ہوں جب تک کہ وہ زمین میں دُشمنوں کو اچھی طرح کچل نہ دے۔ تم لوگ دنیا کے فائدے چاہتے ہو، حالانکہ اللہ کے پیشِ نظر آخرت ہے، اور اللہ غالب اور حکیم ہے۔ اگر اللہ کا نَوِشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا تو جو کچھ تم لوگوں نے لیا ہے، اس کی پاداش میں تم کو بڑی سزا دی جاتی۔ پس جو کچھ تم نے مال حاصل کیا ہے، اسے کھاؤ کہ وہ حلال اور پاک ہے۔"

اس عبارت اور خُصوصاً اس کے خط کشیدہ فقروں پر غور کرنے سے یہ بات ظاہر ہو جاتی ہے کہ اس موقع پر عِتاب جس بات پر ہوا تھا، وہ یہ تھی کہ جنگِ بدر میں دشمنوں کو اچھی طرح کُچل دینے سے پہلے مسلمان دشمن کے آدمیوں کو قید کرنے میں لگ گئے تھے، حالانکہ جنگ سے پہلے جو ہِدایت سورۂ محمد میں ان کو دی گئی تھی وہ یہ تھی کہ "جب تم اُن کو اچھی طرح کُچل دو، تب قیدیوں کو مضبوط باندھو۔" تاہم، چونکہ سورۂ محمد میں مسلمانوں کو قیدیوں سے فِدیہ لینے کی اجازت فی الجملہ دی جا چکی تھی، اس لیے جنگِ بدر کے قیدیوں سے جو مال لیا گیا اسے اللہ نے حلال قرار دیا اور مسلمانوں کو اس کے لینے پر سزا نہ دی۔ "اگر اللہ کا نَوِشتہ پہلے نہ لکھا جا چکا ہوتا" کے الفاظ اس امر کی طرف صاف اشارہ کر رہے ہیں کہ اس واقعے سے پہلے فدیہ لینے کی اجازت کا فرمان قرآن میں آ چکا تھا، اور ظاہر ہے کہ قرآن کے اندر سورۂ محمد کی اِس آیت کے سوا کوئی دوسری آیت ایسی نہیں ہے جس میں یہ فرمان پایا جاتا ہو۔ اس لیے یہ ماننا پڑے گا کہ یہ آیت سورۂ اَنفال کی مذکورۂ بالا آیت سے پہلے نازل ہو چکی تھی۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد دوم، تفسیر سورۂ اَنفال، حاشیہ ۴۹)

یہ قرآنِ مجید کی پہلی آیت ہے جس میں قوانینِ جنگ کے متعلق ابتدائی ہدایات دی گئی ہیں۔ اِس سے جو احکام نکلتے ہیں، اور اِس کے مطابق نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ نے جس طرح عمل کیا ہے، اور فقہا نے اس آیت اور سنّت سے جو اِستنباطات کیے ہیں، ان کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) جنگ میں مسلمانوں کی فوج کا اصل ہدف دشمن کی جنگی طاقت کو توڑ دینا ہے، یہاں تک کہ اس میں لڑنے کی سکت نہ رہے اور جنگ ختم ہو جائے۔ اس ہدف سے توجہ ہٹا کر دشمن کے آدمیوں کو گرفتار کرنے میں نہ لگ جانا چاہیے۔ قیدی پکڑنے کی طرف توجہ اُس وقت کرنی چاہیے جب دشمن کا اچھی طرح قَلْع قَمْع کر دیا جائے اور میدانِ جنگ میں اس کے کچھ آدمی باقی رہ جائیں۔ اہلِ عرب کو یہ ہدایت آغاز ہی میں اس لیے دے دی گئی کہ وہ کہیں فدیہ حاصل کرنے، یا غلام فراہم کرنے کے لالچ میں پڑ کر جنگ کے اصل ہدفِ مقصود کو فراموش نہ کر بیٹھیں۔

(۲) جنگ میں جو لوگ گرفتار ہوں، اُن کے بارے میں فرمایا گیا کہ تمھیں اختیار ہے، خواہ ان پر احسان کرو، یا ان سے فدیے کا معاملہ کر لو۔ اِس سے عام قانون یہ نکلتا ہے کہ جنگی قیدیوں کو قتل نہ کیا جائے۔ حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حَسَن بصریؒ، عطاؒ

QuranUrdu.com

اور حمّاد بن ابی سلیمانؒ، قانون کے اِسی عُموم کو لیتے ہیں، اور یہ اپنی جگہ بالکل دُرست ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ آدمی کو قتل لڑائی کی حالت میں کیا جا سکتا ہے۔ جب لڑائی ختم ہوگئی اور قیدی ہمارے قبضے میں آ گیا تو اسے قتل کرنا درست نہیں ہے۔ ابنِ جَرِیرؒ اور ابوبکر جَصّاصؒ کی رِوایَت ہے کہ حَجّاج بن یُوسُف نے جنگی قیدیوں میں سے ایک قیدی کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے حوالے کیا اور حکم دیا کہ اسے قتل کر دیں۔ انھوں نے انکار کر دیا اور یہ آیت پڑھ کر فرمایا کہ ہمیں قید کی حالت میں کسی کو قتل کرنے کا حکم نہیں دیا گیا ہے۔ امام محمدؒ نے السِّیَرُ الکبیر میں بھی ایک واقعہ لکھا ہے کہ عبداللہؓ بن عامر نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ کو ایک جنگی قیدی کے قتل کا حکم دیا تھا، اور انھوں نے اسی بنا پر اس حکم کی تعمیل سے انکار کر دیا تھا۔

(۳) مگر چونکہ اس آیت میں قتل کی صاف مُمانَعت بھی نہیں کی گئی ہے، اس لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے حکم کا منشا یہ سمجھا اور اسی پر عمل بھی فرمایا کہ اگر کوئی خاص وجہ ایسی ہو جس کی بنا پر اسلامی حُکومت کا فرماں روا کسی قیدی یا بعض قیدیوں کو قتل کرنا ضروری سمجھے تو وہ ایسا کر سکتا ہے۔ یہ عام قاعدہ نہیں ہے، بلکہ قاعدۂ عام میں ایک اِستِثنا ہے جسے بضرورت ہی استعمال کیا جائے گا۔ چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگِ بدر کے ۷۰ قیدیوں میں سے صرف عُقبہ بن ابی مُعَیط اور نَضر بن الحارِث کو قتل کیا۔ جنگ اُحُد کے قیدیوں میں سے صرف ابوعَزّہ شاعر کو قتل فرمایا۔ بنی قُرَیظَہ نے چونکہ اپنے آپ کو حضرت سعدؓ بن مُعاذ کے فیصلے پر حوالے کیا تھا، اور ان کے اپنے تسلیم کردہ حَکَم کا فیصلہ یہ تھا کہ ان کے مَردوں کو قتل کر دیا جائے، اس لیے آپؐ نے ان کو قتل کرا دیا۔ جنگِ خیبر میں جو لوگ گرفتار ہوئے، ان میں سے صرف کِنانہ ابنِ ابی الحُقَیق قتل کیا گیا، کیونکہ اس نے بدعہدی کی تھی۔ فتحِ مکّہ کے بعد آپؐ نے تمام اہلِ مکّہ میں سے صرف چند خاص اشخاص کے متعلق حکم دیا کہ ان میں سے جو بھی پکڑا جائے، وہ قتل کر دیا جائے۔ اِن مُستثنیات کے سوا حضورؐ کا عام طریقہ اسیرانِ جنگ کو قتل کرنے کا کبھی نہیں رہا۔ اور یہی عمل خلفائے راشدین کا بھی تھا۔ ان کے زمانے میں بھی قتلِ اسیرانِ جنگ کی مثالیں شاذ و نادر ہی ملتی ہیں، اور ہر مثال میں قتل کسی خاص وجہ سے کیا گیا ہے۔ حضرت عمرؒ بن عبدالعزیز نے بھی اپنے پورے زمانۂ خلافت میں صرف ایک جنگی قیدی کو قتل کیا، اور اس کی وجہ یہ تھی کہ اس نے مسلمانوں کو بہت تکلیفیں پہنچائی تھیں۔ اسی بنا پر جُمہور فقہا اس بات کے قائل ہیں کہ اسلامی حکومت اگر ضرورت سمجھے تو اسیر کو قتل کر سکتی ہے۔ لیکن یہ فیصلہ کرنا حکومت کا کام ہے۔ ہر فوجی اِس کا مجاز نہیں ہے کہ جس قیدی کو چاہے قتل کر دے۔ البتہ اگر قیدی کے فرار ہونے کا یا اُس سے کسی خطرناک شرارت کا اندیشہ ہو جائے تو جس شخص کو بھی اِس صورتِ حال سے سابقہ پیش آئے وہ اسے قتل کر سکتا ہے۔ اِس سلسلے میں فقہائے اسلام نے تین تصریحات اور بھی کی ہیں: ایک یہ کہ اگر قیدی اسلام قبول کر لے تو اسے قتل نہیں کیا جائے گا۔ دوسرے یہ کہ قیدی صرف اُسی وقت تک قتل کیا جا سکتا ہے جب تک وہ حکومت کی تحویل میں ہو۔ تقسیم یا بَیع کے ذریعے سے اگر وہ کسی شخص کی مِلک میں جا چکا ہو تو پھر اسے قتل نہیں کیا جا سکتا۔ تیسرے یہ کہ قیدی کو قتل کرنا ہو تو بس سیدھی طرح قتل کر دیا جائے، عذاب دے دے کر نہ مارا جائے۔

(۴) جنگی قیدیوں کے بارے میں عام حکم جو دیا گیا ہے وہ یہ ہے کہ یا اُن پر احسان کرو، یا فِدیے کا معاملہ کر لو۔

QuranUrdu.com

احسان میں چار چیزیں شامل ہیں: ایک یہ کہ قید کی حالت میں اُن سے اچھا برتاؤ کیا جائے۔ دوسرے یہ کہ قتل یا دائمی قید کے بجائے ان کو غلام بنا کر افرادِ مسلمین کے حوالے کر دیا جائے۔ تیسرے، یہ کہ جزیہ لگا کر ان کو ذِمّی بنا لیا جائے۔ چوتھے یہ کہ ان کو بلا معاوضہ رہا کر دیا جائے۔

فدیے کا معاملہ کرنے کی تین صورتیں ہیں: ایک یہ کہ مالی معاوضہ لے کر انھیں چھوڑا جائے۔ دوسرے یہ کہ رہائی کی شرط کے طور پر کوئی خاص خدمت لینے کے بعد چھوڑ دیا جائے۔ تیسرے، یہ کہ اپنے اُن آدمیوں سے جو دشمن کے قبضے میں ہوں، اُن کا تبادلہ کر لیا جائے۔

ان سب مختلف صورتوں پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کِرامؓ نے مختلف اوقات میں حسبِ موقع عمل فرمایا ہے۔ خدا کی شریعت نے اسلامی حکومت کو کسی ایک ہی شکل کا پابند نہیں کر دیا ہے۔ حکومت جس وقت جس طریقے کو مناسب ترین پائے، اُس پر عمل کر سکتی ہے۔

(۵) نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہؓ کے عمل سے یہ ثابت ہے کہ ایک جنگی قیدی جب تک حکومت کی قید میں رہے، اُس کی غذا اور لباس، اور اگر وہ بیمار یا زخمی ہو تو اس کا علاج، حکومت کے ذمے ہے۔ قیدیوں کو بھوکا ننگا رکھنے، یا ان کو عذاب دینے کا کوئی جواز اسلامی شریعت میں نہیں ہے۔ بلکہ اس کے برعکس حسنِ سلوک اور فیّاضانہ برتاؤ کی ہدایت بھی کی گئی ہے، اور عملاً بھی اس کی نظیریں سنّت میں ملتی ہیں۔ جنگِ بدر کے قیدیوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مختلف صحابہؓ کے گھروں میں بانٹ دیا اور ہدایت فرمائی کہ اِسْتَوْصُوْا بِالْاُسَارٰی خیرًا، ''اِن قیدیوں کے ساتھ اچھا سُلوک کرنا۔'' اُن میں سے ایک قیدی، ابوعزیز کا بیان ہے کہ مجھے جن انصاریوں کے گھر میں رکھا گیا تھا، وہ صبح شام مجھ کو روٹی کھلاتے تھے اور خود صرف کھجوریں کھا کر رہ جاتے تھے۔ ایک اور قیدی سُہَیل بن عَمرو کے متعلق حضورؐ سے کہا گیا کہ یہ بڑا آتش بیان مُقرِّر ہے، آپؐ کے خلاف تقریریں کرتا رہا ہے، اس کے دانت تڑوا دیجیے۔ حضورؐ نے جواب دیا: ''اگر میں اس کے دانت تُڑواؤں تو اللہ میرے دانت توڑ دے گا، اگرچہ میں نبی ہوں۔'' (سیرت ابنِ ہِشَام) یَمامہ کے سردار ثُمامہ بن اُثال جب گرفتار ہو کر آئے تو جب تک وہ قید میں رہے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے عمدہ کھانا اور دودھ ان کے لیے مہیا کیا جاتا رہا۔ (ابنِ ہِشام) یہی طرزِ عمل صحابۂ کرامؓ کے دَور میں بھی رہا۔ جنگی قیدیوں سے بُرے سُلوک کی کوئی نظیر اُس دَور میں نہیں ملتی۔

(۶) قیدیوں کے معاملے میں یہ شکل اسلام نے سرے سے اپنے ہاں رکھی ہی نہیں ہے کہ ان کو ہمیشہ قید رکھا جائے اور حکومت اُن سے جبری محنت لیتی رہے۔ اگر اُن کے ساتھ یا ان کی قوم کے ساتھ تبادلۂ اسیرانِ جنگ یا فدیے کا کوئی معاملہ طے نہ ہو سکے تو اُن کے معاملے میں احسان کا طریقہ یہ رکھا گیا ہے کہ انھیں غلام بنا کر افراد کی مِلکیّت میں دے دیا جائے، اور اُن کے مالکوں کو ہِدایت کی جائے کہ وہ ان کے ساتھ اچھا سلوک کریں۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں بھی اس طریقے پر عمل کیا گیا ہے، صحابۂ کرامؓ کے عہد میں بھی یہ جاری رہا ہے، اور فقہائے اسلام بالاتفاق اِس کے جواز کے قائل ہیں۔ اِس سلسلے میں یہ بات جان لینی چاہیے کہ جو شخص قید میں آنے سے پہلے اسلام قبول کر چکا ہو اور پھر کسی

QuranUrdu.com

طرح گرفتار ہو جائے، وہ تو آزاد کر دیا جائے گا، مگر جو شخص قید ہونے کے بعد اسلام قبول کرے، یا کسی شخص کی مِلکیّت میں دے دیے جانے کے بعد مسلمان ہو، تو یہ اسلام اس کے لیے آزادی کا سبب نہیں بن سکتا۔ مُسنَدِ احمد، مسلم اور تِرمِذی میں حضرت عمرانؓ بن حُصَین کی رِوایَت ہے کہ بنی عُقَیل کا ایک شخص گرفتار ہو کر آیا اور اُس نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا۔ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لَوْ قُلْتَهَا وَاَنْتَ تَمْلِكُ اَمْرَكَ اَفْلَحْتَ كُلَّ الْفَلَاحِ۔ ''اگر یہ بات تو نے اُس وقت کہی ہوتی جب تو آزاد تھا تو یقیناً فلاح پا جاتا۔'' یہی بات حضرت عمرؓ نے فرمائی ہے کہ اِذَا اَسْلَمَ الْاَسِيْرُ فِيْ اَيْدِي الْمُسْلِمِيْنَ فَقَدْ اَمِنَ مِنَ الْقَتْلِ وَهُوَ رَقِيْقٌ ''جب قیدی مسلمانوں کے قبضے میں آنے کے بعد مسلمان ہو تو وہ قتل سے تو محفوظ ہو جائے گا، مگر غلام رہے گا۔'' اسی بنا پر فقہائے اسلام کا اس پر اتفاق ہے کہ قید ہونے کے بعد مسلمان ہونے والا غلامی سے نہیں بچ سکتا۔ (السِّیَرُ الکبیر، امام محمدؒ) اور یہ بات سراسر معقول بھی ہے۔ اگر ہمارا قانون یہ ہوتا کہ جو شخص بھی گرفتار ہونے کے بعد اسلام قبول کر لے گا وہ آزاد کر دیا جائے گا، تو آخر وہ کون سا نادان قیدی ہوتا جو کلمہ پڑھ کر رہائی نہ حاصل کر لیتا۔

(۷) قیدیوں کے ساتھ احسان کی تیسری صورت اسلام میں یہ رکھی گئی ہے کہ جِزیہ لگا کر ان کو دار الاسلام کی ذمّی رعایا بنا لیا جائے، اور وہ اسلامی مملکت میں اُسی طرح آزاد ہو کر رہیں جس طرح مسلمان رہتے ہیں۔ امام محمدؒ السِّیَر الکبیر میں لکھتے ہیں کہ ''ہر وہ شخص جس کو غلام بنانا جائز ہے، اُس پر جِزیہ لگا کر اُسے ذمّی بنا لینا بھی جائز ہے۔'' اور ایک دوسری جگہ فرماتے ہیں: ''مسلمانوں کے فرماں روا کو یہ حق ہے کہ اُن پر جزیہ اور ان کی زمینوں پر خراج لگا کر انھیں اصلاً آزاد قرار دے دے۔'' اس طریقے پر بالعُموم اُن حالات میں عمل کیا گیا ہے جب کہ قید ہونے والے لوگ جس علاقے کے باشندے ہوں، وہ مفتوح ہو کر اسلامی مملکت میں شامل ہو چکا ہو۔ مثال کے طور پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اہلِ خیبر کے معاملے میں یہ طریقہ اختیار فرمایا تھا، اور پھر حضرت عمرؓ نے سوادِ عراق اور دوسرے علاقوں کی فتح کے بعد بڑے پیمانے پر اس کی پیروی کی۔ ابو عُبَید نے کتاب الاموال میں لکھا ہے کہ عراق کی فتح کے بعد اُس علاقے کے سرکردہ لوگوں کا ایک وفد حضرت عمرؓ کے پاس حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا کہ ''اے امیر المومنین! پہلے اہلِ ایران ہم پر مسلط تھے۔ اُنھوں نے ہم کو بہت ستایا، بڑا بُرا برتاؤ ہمارے ساتھ کیا، اور طرح طرح کی زیادتیاں ہم پر کرتے رہے۔ پھر جب خدا نے آپ لوگوں کو بھیجا تو ہم آپ کی آمد سے بڑے خوش ہوئے اور آپ کے مقابلے میں نہ کوئی مُدافَعَت ہم نے کی، نہ جنگ میں کوئی حصّہ لیا۔ اب ہم نے سنا ہے کہ آپ ہمیں غلام بنا لینا چاہتے ہیں۔'' حضرت عمرؓ نے جواب دیا: ''تم کو اختیار ہے کہ مسلمان ہو جاؤ، یا جِزیہ قبول کر کے آزاد رہو۔'' ان لوگوں نے جِزیہ قبول کر لیا اور وہ آزاد چھوڑ دیے گئے۔ ایک اور جگہ اِسی کتاب میں ابو عُبَید بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے حضرت ابو موسیٰ اَشْعَرِیؓ کو لکھا کہ ''جنگ میں جو لوگ پکڑے گئے ہیں، ان میں سے ہر کاشت کار اور کسان کو چھوڑ دو۔''

(۸) احسان کی چوتھی صورت یہ ہے کہ قیدی کو بلا کسی فدیے اور معاوضے کے یوں ہی رہا کر دیا جائے۔ یہ ایک خاص رعایت ہے، جو اسلامی حکومت صرف اُسی حالت میں کر سکتی ہے جب کہ کسی خاص قیدی کے حالات اِس کے متقاضی ہوں، یا توقع ہو کہ یہ رعایت اُس قیدی کو ہمیشہ کے لیے ممنونِ احسان کر دے گی، اور وہ دشمن سے دوست

QuranUrdu.com

یا کافر سے مومن بن جائے گا۔ ورنہ ظاہر ہے کہ دشمن قوم کے کسی شخص کو اس لیے چھوڑ دینا کہ وہ پھر ہم سے لڑنے آجائے، کسی طرح بھی تقاضائے مَصلَحَت نہیں ہوسکتا۔ اسی لیے فقہائے اسلام نے بالعُموم اس کی مُخالَفَت کی ہے، اور اس کے جواز کے لیے یہ شرط لگائی ہے کہ ''اگر امامِ مسلمین قیدیوں کو، یا ان میں سے بعض کو بطورِ احسان چھوڑ دینے میں مَصلَحَت پائے تو ایسا کرنے میں مضایقہ نہیں ہے۔'' (السِّیَرالکبیر) نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں اِس کی بہت سی نظیریں ملتی ہیں، اور قریب قریب سب میں مَصلَحَت کا پہلو نمایاں ہے۔

جنگِ بدر کے قیدیوں کے متعلق آپؐ نے فرمایا: لَوْ کَانَ الْمُطْعِمُ بْنُ عَدِیٍّ حَیًّا ثُمَّ کَلَّمَنِیْ فِیْ هٰؤُلَاءِ النَّتْنٰی لَتَرَکْتُهُمْ لَهٗ (بخاری، ابوداؤد، مُسْنَدِ احمد) ''اگر مُطْعِم بن عَدِی زندہ ہوتا اور وہ مجھ سے اِن گھناؤنے لوگوں کے بارے میں بات کرتا تو میں اُس کی خاطر انھیں یوں ہی چھوڑ دیتا۔'' یہ بات حضورؐ نے اس لیے فرمائی تھی کہ آپؐ جب طائف سے مکّہ معظّمہ واپس ہوئے تھے، اُس وقت مُطْعِم ہی نے آپؐ کو اپنی پناہ میں لیا تھا، اور اُس کے لڑکے ہتھیار باندھ کر اپنی حفاظت میں آپؐ کو حرم میں لے گئے تھے۔ اس لیے آپؐ اُس کے احسان کا بدلہ اِس طرح اُتارنا چاہتے تھے۔

بخاری، مسلم اور مُسْنَدِ احمد کی رِوایَت ہے کہ یَمامہ کے سردار ثُمامہ بن اُثال جب گرفتار ہو کر آئے تو حضورؐ نے ان سے پوچھا: ''ثُمامہ! تمھارا کیا خیال ہے؟'' انھوں نے کہا: ''اگر آپ مجھے قتل کریں گے تو ایسے شخص کو قتل کریں گے جس کا خون کچھ قیمت رکھتا ہے، اگر مجھ پر احسان کریں گے تو ایسے شخص پر کریں گے جو احسان ماننے والا ہے، اور اگر آپ مال لینا چاہتے ہیں تو مانگیے، آپ کو دیا جائے گا۔'' تین دن تک آپؐ ان سے یہی بات پوچھتے رہے اور وہ یہی جواب دیتے رہے۔ آخر کو آپؐ نے حکم دیا کہ ثُمامہ کو چھوڑ دو۔ رہائی پاتے ہی وہ قریب کے ایک نخلستان میں گئے، نہا دھو کر واپس آئے، کَلِمَہ پڑھ کر مسلمان ہوئے اور عرض کیا کہ ''آج سے پہلے کوئی شخص میرے لیے آپ سے اور کوئی دین آپ کے دین سے بڑھ کر مبغوض نہ تھا، مگر اب کوئی شخص اور کوئی دین مجھے آپ سے اور آپ کے دین سے بڑھ کر محبوب نہیں ہے۔'' پھر وہ عُمرے کے لیے مکّے گئے اور وہاں قریش کے لوگوں کو نوٹس دے دیا کہ آج کے بعد کوئی غلّہ تمھیں یمامہ سے نہ پہنچے گا جب تک محمد صلی اللہ علیہ وسلم اجازت نہ دیں۔ چنانچہ انھوں نے ایسا ہی کیا اور مکّہ والوں کو حضورؐ سے التجا کرنی پڑی کہ یمامہ سے ہمارے غلے کی رسد بند نہ کرائیں۔

بنی قُرَیْظَہ کے قیدیوں میں سے آپؐ نے زَبِیر بن باطا اور عَمْرو بن سعد (یا ابنِ سُعْدیٰ) کی جان بخشی کی۔ زَبیر کو اس لیے چھوڑا کہ اُس نے جاہلیت کے زمانے میں جنگِ بُعاث کے موقع پر حضرت ثابتؓ بن قیس انصاری کو پناہ دی تھی، اس لیے آپؐ نے اس کو حضرت ثابتؓ کے حوالے کر دیا، تاکہ اس کے احسان کا بدلہ ادا کریں۔ اور عَمْرو بن سعد کو اس لیے چھوڑا کہ جب بنی قُرَیْظَہ حضورؐ کے ساتھ بدعہدی کر رہے تھے، اُس وقت یہی شخص اپنے قبیلے کو غدّاری سے منع کر رہا تھا۔ (کتاب الاموال لابی عُبَید)

غزوۂ بنی المُصْطَلِق کے بعد جب اُس قبیلے کے قیدی لائے گئے اور لوگوں میں تقسیم کر دیے گئے، اُس وقت حضرت جُوَیْرِیَہؓ جس شخص کے حصے میں آئی تھیں، اُس کو اُن کا معاوضہ ادا کر کے آپؐ نے انھیں رہا کرایا اور پھر اُن سے خود نکاح

QuranUrdu.com

کرلیا۔ اس پر تمام مسلمانوں نے یہ کہہ کر اپنے اپنے حصّے کے قیدیوں کو آزاد کر دیا کہ یہ "اب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے رشتہ دار ہو چکے ہیں۔" اس طرح ستّر خاندانوں کے آدمی رہا ہو گئے۔ (مُسنَدِ احمد، طَبَقاتِ ابنِ سعد، سیرت ابنِ ہِشام)

صلحِ حُدَیبیہ کے موقع پر مکّے کے ۸۰ آدمی تَنعِیم کی طرف سے آئے اور فجر کی نماز کے قریب انھوں نے آپؐ کے کیمپ پر اچانک شب خون مارنے کا ارادہ کیا۔ مگر وہ سب کے سب پکڑ لیے گئے اور حضورؐ نے سب کو چھوڑ دیا، تاکہ اس نازک موقع پر یہ معاملہ لڑائی کا موجب نہ بن جائے۔ (مسلم، ابوداؤد، نَسائی، تِرمِذی، مُسنَدِ احمد)

فتحِ مکّہ کے موقع پر آپؐ نے چند آدمیوں کو مستثنیٰ کر کے تمام اہلِ مکّہ کو بطورِ احسان معاف کر دیا، اور جنھیں مستثنیٰ کیا تھا اُن میں سے بھی تین چار کے سوا کوئی قتل نہ کیا گیا۔ سارا عرب اِس بات کو جانتا تھا کہ اہلِ مکہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں پر کیسے کیسے ظلم کیے تھے۔ اس کے مقابلے میں فتح پا کر جس عالی حوصلگی کے ساتھ حضورؐ نے ان لوگوں کو معاف فرمایا، اس سے اہلِ عرب کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ ان کا سابقہ کسی جَبّار سے نہیں، بلکہ ایک نہایت رحیم و شفیق اور فیّاض رہنما سے ہے۔ اسی بنا پر فتحِ مکّہ کے بعد پُورے جزیرۃ العرب کو مسخّر ہونے میں دو سال سے زیادہ دیر نہ لگی۔

جنگِ حُنَین کے بعد جب قبیلۂ ہَوازِن کا وفد اپنے قیدیوں کی رہائی کے لیے حاضر ہوا تو سارے قیدی تقسیم کیے جا چکے تھے۔ حضورؐ نے سب مسلمانوں کو جمع کیا اور فرمایا: یہ لوگ تائب ہو کر آئے ہیں، اور میری رائے یہ ہے کہ ان کے قیدی ان کو واپس دے دیے جائیں۔ تم میں سے جو کوئی بخوشی اپنے حصّے میں آئے ہوئے قیدی کو بلا معاوضہ چھوڑنا چاہے وہ اِس طرح چھوڑ دے، اور جو معاوضہ لینا چاہے اس کو ہم بیت المال میں آنے والی پہلی آمدنی سے معاوضہ دے دیں گے۔ چنانچہ چھ ہزار قیدی رہا کر دیے گئے، اور جن لوگوں نے معاوضہ لینا چاہا، انھیں حکومت کی طرف سے معاوضہ دے دیا گیا۔ (بخاری، ابوداؤد، مُسنَدِ احمد، طَبَقات ابنِ سعد) اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ تقسیم ہو چکنے کے بعد حکومت قیدیوں کو خود رہا کر دینے کی مجاز نہیں رہتی، بلکہ یہ کام اُن لوگوں کی رضامندی سے، یا ان کو معاوضہ دے کر کیا جا سکتا ہے جن کی مِلکیّت میں قیدی دیے جا چکے ہوں۔

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد صحابۂ کرامؓ کے دَور میں بھی بطورِ احسان قیدیوں کو رہا کرنے کی نظیریں مسلسل ملتی ہیں۔ حضرت ابوبکرؓ نے اَشْعَث بن قَیس کِنْدی کو رہا کیا، اور حضرت عمرؓ نے ہُرمُزان کو اور مناذِر اور میسان کے قیدیوں کو آزادی عطا کی۔ (کتاب الاموال لِاَبی عُبَید)

(۹) مالی معاوضہ لے کر قیدیوں کو چھوڑنے کی مثال نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں صرف جنگِ بدر کے موقع پر ملتی ہے، جب کہ فی قیدی ایک ہزار سے ۴ ہزار تک کی رقمیں لے کر ان کو رہا کیا گیا۔ (طَبَقاتِ ابنِ سعد، کتاب الاموال) صحابۂ کرامؓ کے دَور میں اس کی کوئی نظیر نہیں ملتی۔ اور فقہائے اسلام نے بالعُموم اس کو ناپسند کیا ہے، کیونکہ اس کے معنیٰ یہ ہیں کہ ہم روپیا لے کر دشمن کے ایک آدمی کو چھوڑ دیں تاکہ وہ پھر ہمارے خلاف تلوار اُٹھائے۔ لیکن چونکہ قرآن میں فدیہ لینے کی اجازت دی گئی ہے، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ اس پر عمل بھی کیا ہے، اس لیے ایسا کرنا مطلقاً ممنوع نہیں ہے۔ امام محمدؒ السِّیَر الکبیر میں کہتے ہیں کہ اگر مسلمانوں کو اس کی ضرورت پیش آئے تو

QuranUrdu.com

ذٰلِكَ ؕ وَلَوْ يَشَآءُ اللّٰهُ لَانْتَصَرَ مِنْهُمْ وَلٰكِنْ لِّيَبْلُوَا بَعْضَكُمْ بِبَعْضٍ ؕ وَالَّذِيْنَ قُتِلُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَلَنْ يُّضِلَّ اَعْمَالَهُمْ ۝۴

یہ ہے تمھارے کرنے کا کام۔ اللہ چاہتا تو خود ہی اُن سے نمٹ لیتا، مگر (یہ طریقہ اُس نے اس لیے اختیار کیا ہے) تاکہ تم لوگوں کو ایک دوسرے کے ذریعے سے آزمائے۔[9] اور جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے جائیں گے، اللہ ان کے اعمال کو ہرگز ضائع نہ کرے گا۔[10]

وہ مالی معاوضہ لے کر قیدیوں کو چھوڑ سکتے ہیں۔

(۱۰) کوئی خدمت لے کر چھوڑنے کی مثال بھی جنگِ بدر کے موقع پر ملتی ہے۔ قریش کے قیدیوں میں سے جو لوگ مالی فدیہ دینے کے قابل نہ تھے، ان کی رہائی کے لیے حضورؐ نے یہ شرط عائد کر دی کہ وہ انصار کے دس دس بچوں کو لکھنا پڑھنا سکھا دیں۔ (مُسْنَدِ احمد، طَبَقاتِ ابنِ سعد، کتاب الاموال)

(۱۱) قیدیوں کے تبادلے کی متعدِّد مثالیں ہم کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد میں ملتی ہیں۔ ایک مرتبہ حضورؐ نے حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو ایک مہم پر بھیجا اور اس میں چند قیدی گرفتار ہوئے۔ ان میں ایک نہایت خوبصورت عورت بھی تھی جو حضرت سَلَمَہؓ بن اَکْوَع کے حصے میں آئی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے باصرار اس کو حضرت سَلَمَہؓ سے مانگ لیا، اور پھر اسے مکّہ بھیج کر اس کے بدلے کئی مسلمان قیدیوں کو رہا کرایا۔ (مسلم، ابوداؤد، طَحاوِی، کتاب الاموال لِاَبی عُبَید، طبقاتِ ابنِ سعد) حضرت عمرانؓ بن حُصَینؓ کی رِوایَت ہے کہ ایک مرتبہ قبیلۂ ثَقِیف نے مسلمانوں کے دو آدمیوں کو قید کر لیا۔ اس کے کچھ مدت بعد ثَقِیف کے حلیف قبیلے، بنی عُقَیل کا ایک آدمی مسلمانوں کے پاس گرفتار ہو گیا۔ حضورؐ نے اس کو طائف بھیج کر اس کے بدلے ان دونوں مسلمانوں کو رہا کرا لیا۔ (مسلم، تِرمِذی، مُسْنَدِ احمد) فقہا میں سے امام ابو یُوسُف، امام محمد، امام شافعی، امام مالک اور امام احمد رحمہم اللہ تبادلۂ اسیران کو جائز رکھتے ہیں۔ امام ابوحنیفہؒ کا ایک قول یہ ہے کہ تبادلہ نہیں کرنا چاہیے، مگر دوسرا قول ان کا بھی یہی ہے کہ تبادلہ کیا جا سکتا ہے۔ البتہ اس امر پر سب کا اتفاق ہے کہ جو قیدی مسلمان ہو جائے، اسے تبادلے میں کفّار کے حوالے نہ کیا جائے۔

اِس تشریح سے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ اسلام نے اسیرانِ جنگ کے معاملے میں ایک ایسا وسیع ضابطہ بنایا ہے جس کے اندر ہر زمانے اور ہر طرح کے حالات میں اِس مسئلے سے عہدہ برآ ہونے کی گنجایش ہے۔ جو لوگ قرآنِ مجید کی اس آیت کا بس یہ مختصر سا مطلب لے لیتے ہیں کہ جنگ میں قید ہونے والوں کو "یا تو بطورِ احسان چھوڑ دیا جائے، یا فدیہ لے کر رہا کر دیا جائے"، وہ اس بات کو نہیں جانتے کہ جنگی قیدیوں کا معاملہ کتنے مختلف پہلو رکھتا ہے، اور مختلف زمانوں میں وہ کتنے مسائل پیدا کرتا رہا ہے اور آیندہ کر سکتا ہے۔

۹- یعنی اللہ تعالیٰ کو اگر محض باطل پرستوں کی سرکوبی ہی کرنی ہوتی تو وہ اس کام کے لیے تمھارا محتاج نہ تھا۔ یہ

QuranUrdu.com

سَيَهْدِيْهِمْ وَ يُصْلِحُ بَالَهُمْ ۚ﴿۵﴾ وَ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ عَرَّفَهَا لَهُمْ ﴿۶﴾ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِنْ تَنْصُرُوا اللّٰهَ يَنْصُرْكُمْ وَ يُثَبِّتْ اَقْدَامَكُمْ ﴿۷﴾ وَ
الَّذِيْنَ كَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ﴿۸﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا

وہ ان کی رہنمائی فرمائے گا، ان کا حال درست کر دے گا، اور ان کو اُس جنّت میں داخل کرے گا جس سے وہ ان کو واقف کرا چکا ہے[11]۔

اے لوگو جو ایمان لائے ہو، اگر تم اللہ کی مدد کرو گے تو وہ تمھاری مدد کرے گا[12] اور تمھارے قدم مضبوط جما دے گا۔ رہے وہ لوگ جنھوں نے کفر کیا ہے، تو اُن کے لیے ہلاکت ہے[13]، اور اللہ نے ان کے اعمال کو بھٹکا دیا ہے۔ کیونکہ انھوں نے اُس چیز کو ناپسند کیا جسے

کام تو اس کا ایک زلزلہ یا ایک طوفان چشم زَدَن میں کر سکتا تھا۔ مگر اُس کے پیشِ نظر تو یہ ہے کہ انسانوں میں سے جو حق پرست ہوں وہ باطل پرستوں سے ٹکرائیں اور ان کے مقابلے میں مجاہدہ کریں، تاکہ جس کے اندر جو کچھ اوصاف ہیں وہ اِس امتحان سے نکھر کر پُوری طرح نمایاں ہو جائیں اور ہر ایک اپنے کردار کے لحاظ سے جس مَقام اور مرتبے کا مستحق ہو، وہ اس کو دیا جائے۔

۱۰- مطلب یہ ہے کہ اللہ کی راہ میں کسی کے مارے جانے کے معنٰی یہ ہرگز نہیں ہیں کہ آدمی اپنی جان سے گیا اور اس کی ذات کی حد تک اُس کا کیا کرایا سب مَلیامیٹ ہو گیا۔ اگر کوئی شخص یہ سمجھتا ہے کہ شہدا کی قربانیاں خود اُن کے لیے نہیں بلکہ صرف اُنھی لوگوں کے لیے نافع ہیں جو اُن کے بعد اِس دنیا میں زندہ رہیں اور اُن کی قربانیوں سے یہاں مُتَمَتّع ہوں، تو وہ غلط سمجھتا ہے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ خود شہید ہونے والوں کے لیے بھی یہ زیاں کا نہیں بلکہ نفع کا سودا ہے۔

۱۱- یہ ہے وہ نفع جو راہِ خدا میں جان دینے والوں کو حاصل ہو گا۔ اس کے تین مراتب بیان فرمائے گئے ہیں: ایک یہ کہ اللہ اُن کی رہنمائی فرمائے گا۔ دوسرے یہ کہ ان کا حال دُرست کر دے گا۔ تیسرے یہ کہ ان کو اُس جنّت میں داخل کرے گا جس سے وہ پہلے ہی ان کو واقف کرا چکا ہے۔ رہنمائی کرنے سے مراد ظاہر ہے کہ اِس مَقام پر جنّت کی طرف رہنمائی کرنا ہے۔ حالت دُرست کرنے سے مراد یہ ہے کہ جنّت میں داخل ہونے سے پہلے اللہ تعالیٰ ان کو خِلْعَتوں سے آراستہ کر کے وہاں لے جائے گا اور ہر اُس آلایش کو دُور کر دے گا جو دنیا کی زندگی میں اُن کو لگ گئی تھی۔ اور تیسرے مرتبے کا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں پہلے ہی ان کو قرآن اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے بتایا جا چکا ہے کہ وہ جنّت

QuranUrdu.com

مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ۝۹ اَفَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ دَمَّرَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ ۫ وَلِلْكٰفِرِيْنَ
اَمْثَالُهَا ۝۱۰ ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ مَوْلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَاَنَّ الْكٰفِرِيْنَ
لَا مَوْلٰى لَهُمْ ۝۱۱ ع اِنَّ اللّٰهَ يُدْخِلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَعَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

اللہ نے نازل کیا ہے[۱۴]، لہٰذا اللہ نے اُن کے اعمال ضائع کر دیے۔ کیا وہ زمین میں چلے پھرے نہ تھے کہ اُن لوگوں کا انجام دیکھتے جو ان سے پہلے گزر چکے ہیں؟ اللہ نے اُن کا سب کچھ اُن پر اُلٹ دیا، اور ایسے ہی نتائج اِن کافروں کے لیے مقدّر ہیں[۱۵]۔ یہ اس لیے کہ ایمان لانے والوں کا حامی و ناصر اللہ ہے اور کافروں کا حامی و ناصر کوئی نہیں[۱۶]۔ ع ایمان لانے والوں اور نیک عمل کرنے والوں کو اللہ اُن جنّتوں

کیسی ہے جو اللہ نے ان کے لیے مہیّا کر رکھی ہے۔ اُس جنّت میں جب وہ پہنچیں گے تو بالکل اپنی جانی پہچانی چیز میں داخل ہوں گے، اور ان کو معلوم ہو جائے گا کہ جس چیز کے دینے کا اُن سے وعدہ کیا گیا تھا وہی اُن کو دی گئی ہے، اُس میں یک سرِ مُو فرق نہیں ہے۔

۱۲ – اللہ کی مدد کرنے کا ایک سیدھا سادھا مفہوم تو یہ ہے کہ اس کا کَلِمَہ بلند کرنے کے لیے جان و مال سے جہاد کیا جائے۔ لیکن اس کا ایک غامض مفہوم بھی ہے جس کی ہم اس سے پہلے تشریح کر چکے ہیں۔ (مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد اوّل، تفسیر آلِ عمران، حاشیہ ۵۰)

۱۳ – اصل الفاظ ہیں: فَتَعْسًا لَّهُمْ۔ تعس ٹھوکر کھا کر منہ کے بل گرنے کو کہتے ہیں۔

۱۴ – یعنی انھوں نے اپنی پُرانی جاہلیت کے اَوہام و تَخَیُّلات اور رسم و رواج اور اَخلاقی بگاڑ کو ترجیح دی اور اُس تعلیم کو پسند نہ کیا جو اللہ نے ان کو سیدھا راستہ بتانے کے لیے نازل کی تھی۔

۱۵ – اس فقرے کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ جس تباہی سے وہ کافر دوچار ہوئے، ویسی ہی تباہی اب اِن کافروں کے لیے مقدّر ہے جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کو نہیں مان رہے ہیں۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ اُن لوگوں کی تباہی صرف دنیا کے عذاب پر ختم نہیں ہو گئی ہے، بلکہ یہی تباہی اُن کے لیے آخرت میں بھی مقدّر ہے۔

۱۶ – جنگِ اُحد میں جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم زخمی ہو کر چند صحابہؓ کے ساتھ ایک گھاٹی میں ٹھیرے ہوئے تھے، اُس وقت ابوسفیان نے نعرہ لگایا: لَنَا عُزّٰى وَلَا عُزّٰى لَكُمْ۔ ”ہمارے پاس عُزّیٰ ہے اور تمھارا کوئی عُزّیٰ نہیں ہے۔“ اس پر نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہؓ سے فرمایا: اسے جواب دو: اَللّٰهُ مَوْلَانَا وَلَا مَوْلٰى لَكُمْ۔ ”ہمارا حامی و ناصر اللہ ہے اور

QuranUrdu.com

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ؕ وَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا یَتَمَتَّعُوْنَ وَ
یَاْكُلُوْنَ كَمَا تَاْكُلُ الْاَنْعَامُ وَ النَّارُ مَثْوًى لَّهُمْ ﴿۱۲﴾ وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ
هِیَ اَشَدُّ قُوَّةً مِّنْ قَرْیَتِكَ الَّتِیْۤ اَخْرَجَتْكَ ۚ اَهْلَكْنٰهُمْ فَلَا
نَاصِرَ لَهُمْ ﴿۱۳﴾ اَفَمَنْ كَانَ عَلٰى بَیِّنَةٍ مِّنْ رَّبِّهٖ كَمَنْ زُیِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ
وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۴﴾ مَثَلُ الْجَنَّةِ الَّتِیْ وُعِدَ الْمُتَّقُوْنَ ؕ فِیْهَاۤ اَنْهٰرٌ

میں داخل کرے گا جن کے نیچے نہریں بہتی ہیں، اور کفر کرنے والے بس دنیا کی چند روزہ زندگی کے مزے لُوٹ رہے ہیں، جانوروں کی طرح کھا پی رہے ہیں[17]، اور اُن کا آخری ٹھکانا جہنّم ہے۔

اَے نبیؐ! کتنی ہی بستیاں ایسی گزر چکی ہیں جو تمھاری اُس بستی سے بہت زیادہ زور آور تھیں جس نے تمھیں نکال دیا ہے۔ اُنھیں ہم نے اِس طرح ہلاک کر دیا کہ کوئی ان کا بچانے والا نہ تھا[18]۔ بھلا کہیں ایسا ہو سکتا ہے کہ جو اپنے رب کی طرف سے ایک صاف و صریح ہدایت پر ہو، وہ اُن لوگوں کی طرح ہو جائے جن کے لیے اُن کا بُرا عمل خوشنما بنا دیا گیا ہے اور وہ اپنی خواہشات کے پیرو بن گئے ہیں[19]؟ پرہیزگاروں کے لیے جس جنّت کا وعدہ کیا گیا ہے، اس کی شان تو یہ ہے کہ اس میں نہریں بہ رہی

تمھارا حامی و ناصر کوئی نہیں۔'' حضورؐ کا یہ جواب اِسی آیت سے ماخوذ تھا۔

۱۷- یعنی جس طرح جانور کھاتا ہے اور کچھ نہیں سوچتا کہ یہ رزق کہاں سے آیا ہے، کس کا پیدا کیا ہوا ہے، اور اس رزق کے ساتھ میرے اُوپر رازق کے کیا حُقوق عائد ہوتے ہیں، اسی طرح یہ لوگ بھی بس کھائے جا رہے ہیں، چَرنے چُگنے سے آگے کسی چیز کی انھیں کوئی فکر نہیں ہے۔

۱۸- رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو مکے سے نکلنے کا بڑا رنج تھا۔ جب آپؐ ہجرت پر مجبور ہوئے تو شہر سے باہر نکل کر آپؐ نے اُس کی طرف رخ کر کے فرمایا تھا: ''اے مکہ! تو دنیا کے تمام شہروں میں خدا کو سب سے زیادہ محبُوب ہے، اور خدا کے تمام شہروں میں مجھے سب سے بڑھ کر تجھ سے محبّت ہے۔ اگر مشرکوں نے مجھے نہ نکالا ہوتا تو میں تجھے چھوڑ کر کبھی نہ نکلتا۔'' اسی پر ارشاد ہوا ہے کہ اہلِ مکّہ تمھیں نکال کر اپنی جگہ یہ سمجھ رہے ہیں کہ انھوں نے کوئی بڑی کامیابی حاصل کی ہے۔ حالانکہ درحقیقت یہ حرکت کر کے انھوں نے اپنی شامت بلائی ہے۔ آیت کا اندازِ کلام صاف بتا رہا ہے کہ یہ ضرور ہجرت سے متصل ہی نازل ہوئی ہوگی۔

QuranUrdu.com

مِّنْ مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ لَّبَنٍ لَّمْ يَتَغَيَّرْ طَعْمُهٗ ۚ وَاَنْهٰرٌ
مِّنْ خَمْرٍ لَّذَّةٍ لِّلشّٰرِبِيْنَ ۚ وَاَنْهٰرٌ مِّنْ عَسَلٍ مُّصَفًّى ؕ وَلَهُمْ فِيْهَا
مِنْ كُلِّ الثَّمَرٰتِ وَمَغْفِرَةٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ ؕ كَمَنْ هُوَ خَالِدٌ فِي النَّارِ

ہوں گی[20] نتھرے ہوئے پانی کی، نہریں بہ رہی ہوں گی ایسے دُودھ کی جس کے مزے میں ذرا فرق نہ آیا ہوگا[21]، نہریں بہ رہی ہوں گی ایسی شراب کی جو پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی[22]، نہریں بہ رہی ہوں گی صاف شفّاف شہد کی[23]۔ اُس میں اُن کے لیے ہر طرح کے پھل ہوں گے اور اُن کے رب کی طرف سے بخشش[24]۔ (کیا وہ شخص جس کے حصّے میں یہ جنّت آنے والی ہے) اُن لوگوں کی طرح ہو سکتا ہے جو جہنّم میں ہمیشہ

۱۹- یعنی آخر یہ کیسے ممکن ہے کہ پیغمبر اور اس کے پیروؤں کو جب خدا کی طرف سے ایک صاف اور سیدھا راستہ مل گیا ہے اور پُوری بصیرت کی روشنی میں وہ اس پر قائم ہو چکے ہیں، تو اب وہ اُن لوگوں کے ساتھ چل سکیں جو اپنی پرانی جاہلیت کے ساتھ چمٹے ہوئے ہیں، جو اپنی ضلالتوں کو ہدایت اور اپنی بدکرداریوں کو خوبی سمجھ رہے ہیں، جو کسی دلیل کی بنا پر نہیں بلکہ محض اپنی خواہشات کی بنا پر یہ فیصلے کرتے ہیں کہ حق کیا ہے اور باطل کیا۔ اب تو نہ اِس دنیا میں ان دونوں گروہوں کی زندگی ایک جیسی ہو سکتی ہے اور نہ آخرت میں ان کا انجام یکساں ہو سکتا ہے۔

۲۰- اصل الفاظ ہیں: مَّآءٍ غَيْرِ اٰسِنٍ۔ آسِن اُس پانی کو کہتے ہیں جس کا مزا اور رنگ بدلا ہوا ہو، یا جس میں کسی طرح کی بُو پیدا ہو گئی ہو۔ دنیا میں دریاؤں اور نہروں کے پانی عموماً گدلے ہوتے ہیں۔ ان کے ساتھ ریت، مٹی اور بسا اوقات طرح طرح کی نباتات کے مل جانے سے ان کا رنگ اور مزا بدل جاتا ہے، اور کچھ نہ کچھ بُو بھی ان میں پائی جاتی ہے۔ اس لیے جنّت کے دریاؤں اور نہروں کے پانی کی یہ تعریف بیان کی گئی ہے کہ وہ غیر آسِن ہوگا۔ یعنی وہ خالص، صاف ستھرا پانی ہوگا۔ کسی قسم کی آمیزش اس میں نہ ہوگی۔

۲۱- حدیثِ مرفوع میں اس کی تشریح یہ آئی ہے کہ ”وہ جانوروں کے تھنوں سے نکلا ہوا دُودھ نہ ہوگا۔“ یعنی اللہ تعالیٰ یہ دُودھ چشموں کی شکل میں زمین سے نکالے گا اور نہروں کی شکل میں اسے بہا دے گا۔ ایسا نہ ہوگا کہ جانوروں کے تھنوں سے اس کو نچوڑا جائے اور پھر جنّت کی نہروں میں ڈال دیا جائے۔ اس قدرتی دُودھ کی تعریف میں بیان کیا گیا ہے کہ ”اس کے مزے میں ذرا فرق نہ آیا ہوگا“، یعنی اُس کے اندر وہ ذرا سی بِساند بھی نہ ہوگی جو جانور کے تھن سے نکلے ہوئے ہر دُودھ میں ہوتی ہے۔

۲۲- حدیثِ مرفوع میں اس کی تشریح یہ آئی ہے کہ اس شراب کو ”انسانوں نے اپنے قدموں سے روند کر نہ نچوڑا ہوگا۔“ یعنی وہ دنیا کی شرابوں کی طرح پھلوں کو سڑا کر اور قدموں سے روند کر کشید کی ہوئی نہ ہوگی، بلکہ اللہ تعالیٰ اسے بھی چشموں

QuranUrdu.com

وَ سُقُوْا مَآءً حَمِيْمًا فَقَطَّعَ اَمْعَآءَهُمْ ﴿۱۵﴾ وَ مِنْهُمْ مَّنْ يَّسْتَمِعُ اِلَيْكَ ۚ
حَتّٰۤى اِذَا خَرَجُوْا مِنْ عِنْدِكَ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ مَاذَا قَالَ
اٰنِفًا ؕ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ طَبَعَ اللّٰهُ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ وَ اتَّبَعُوْۤا اَهْوَآءَهُمْ ﴿۱۶﴾

رہیں گے اور جنھیں ایسا گرم پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتیں تک کاٹ دے گا؟

اِن میں سے کچھ لوگ ایسے ہیں جو کان لگا کر تمھاری بات سنتے ہیں اور پھر جب تمھارے پاس سے نکلتے ہیں تو اُن لوگوں سے، جنھیں علم کی نعمت بخشی گئی ہے، پوچھتے ہیں کہ ابھی ابھی اِنھوں نے کیا کہا تھا؟[۲۵] یہ وہ لوگ ہیں جن کے دلوں پر اللہ نے ٹھپّا لگا دیا ہے اور یہ اپنی خواہشات کے پیرو بنے ہوئے ہیں۔[۲۶]

کی شکل میں پیدا کرے گا اور نہروں کی شکل میں بہا دے گا۔ پھر اس کی تعریف یہ بیان کی گئی ہے کہ ”وہ پینے والوں کے لیے لذیذ ہوگی“، یعنی دنیا کی شرابوں کی طرح وہ تلخ اور بُودار نہ ہوگی، جسے کوئی بڑے سے بڑا شراب کا رسیا بھی کچھ نہ کچھ منہ بنائے بغیر نہیں پی سکتا۔ سورۂ صافّات میں اس کی مزید تعریف یہ کی گئی ہے کہ اس کے پینے سے نہ جسم کو کوئی ضرر ہوگا، نہ عقل خراب ہوگی (آیت ۴۷)۔ اور سورۂ واقعہ میں فرمایا گیا ہے کہ اس سے نہ دورانِ سر لاحق ہوگا، نہ آدمی بہکے گا۔ (آیت ۱۹) اس سے معلوم ہوا کہ وہ شراب نشہ آور نہ ہوگی، بلکہ محض لذّت و سرور بخشنے والی ہوگی۔

۲۳ - حدیثِ مرفوع میں اس کی تشریح یہ آئی ہے کہ ”وہ مکھیوں کے پیٹ سے نکلا ہوا شہد نہ ہوگا۔“ یعنی وہ بھی چشموں سے نکلے گا اور نہروں میں بہے گا۔ اسی لیے اس کے اندر موم اور چھتّے کے ٹکڑے اور مری ہوئی مکھیوں کی ٹانگیں ملی ہوئی نہ ہوں گی، بلکہ وہ خالص شہد ہوگا۔

۲۴ - جنّت کی اِن نعمتوں کے بعد اللہ کی طرف سے مغفرت کا ذکر کرنے کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک یہ کہ ان ساری نعمتوں سے بڑھ کر یہ نعمت ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرما دے گا۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ دنیا میں جو کوتاہیاں اُن سے ہوئی تھیں ان کا ذکر تک جنّت میں کبھی اُن کے سامنے نہ آئے گا، بلکہ اللہ تعالیٰ ان پر ہمیشہ کے لیے پردہ ڈال دے گا، تاکہ جنّت میں وہ شرمندہ نہ ہوں۔

۲۵ - یہ اُن کفار و منافقین اور منکرین اہلِ کتاب کا ذکر ہے جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس میں آ کر بیٹھتے تھے اور آپؐ کے ارشادات، یا قرآنِ مجید کی آیات سنتے تھے، مگر چونکہ اُن کا دل اُن مضامین سے دُور تھا جو آپؐ کی زبانِ مبارک سے ادا ہوتے تھے، اس لیے سب کچھ سُن کر بھی وہ کچھ نہ سنتے تھے، اور باہر نکل کر مسلمانوں سے پوچھتے تھے کہ ابھی ابھی آپؐ کیا فرما رہے تھے۔

۲۶ - یہ تھا وہ اصل سبب جس کی وجہ سے ان کے دل کے کان نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادات کے لیے

وَالَّذِيْنَ اهْتَدَوْا زَادَهُمْ هُدًى وَّاٰتٰهُمْ تَقْوٰىهُمْ ﴿١٧﴾ فَهَلْ يَنْظُرُوْنَ
اِلَّا السَّاعَةَ اَنْ تَاْتِيَهُمْ بَغْتَةً ۚ فَقَدْ جَآءَ اَشْرَاطُهَا ۚ فَاَنّٰى لَهُمْ
اِذَا جَآءَتْهُمْ ذِكْرٰىهُمْ ﴿١٨﴾ فَاعْلَمْ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاسْتَغْفِرْ

رہے وہ لوگ جنھوں نے ہدایت پائی ہے، اللہ اُن کو اور زیادہ ہدایت دیتا ہے[27] اور انھیں اُن کے حصّے کا تقویٰ عطا فرماتا ہے[28]۔ اب کیا یہ لوگ بس قیامت ہی کے منتظر ہیں کہ وہ اچانک اِن پر آ جائے؟[29] اُس کی علامات تو آ چکی ہیں[30]۔ جب وہ خود آ جائے گی تو اِن کے لیے نصیحت قبول کرنے کا کون سا موقع باقی رہ جائے گا؟

پس اَے نبیؐ! خوب جان لو کہ اللہ کے سوا کوئی عبادت کا مستحق نہیں ہے، اور معافی مانگو

بہرے ہو گئے تھے۔ وہ اپنی خواہشات کے بندے تھے، اور حضورؐ جو تعلیمات پیش فرما رہے تھے وہ ان کی خواہشات کے خلاف تھیں، اس لیے اگر وہ کبھی آپؐ کی مجلس میں آ کر بتکلّف آپؐ کی طرف کان لگاتے بھی تھے تو ان کے پلّے کچھ نہ پڑتا تھا۔

۲۷- یعنی وہی باتیں، جن کو سُن کر کفار و منافقین پوچھتے ہیں کہ ابھی ابھی آپؐ کیا فرما رہے تھے، ہدایت یافتہ لوگوں کے لیے مزید ہدایت کی مُوجِب ہوتی ہیں، اور جس مجلس سے وہ بدنصیب اپنا وقت ضائع کر کے اُٹھتے ہیں، اُسی مجلس سے یہ خوش نصیب لوگ علم و عرفان کا ایک نیا خزانہ حاصل کر کے پلٹتے ہیں۔

۲۸- یعنی جس تقویٰ کی اہلیّت وہ اپنے اندر پیدا کر لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اس کی توفیق انھیں عطا فرما دیتا ہے۔

۲۹- یعنی جہاں تک حق واضح کرنے کا تعلق ہے، وہ تو دلائل سے، قرآن کے معجزانہ بیان سے، محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرتِ پاک سے، اور صحابۂ کرامؓ کی زندگیوں کے انقلاب سے، انتہائی روشن طریقے پر واضح کیا جا چکا ہے۔ اب کیا ایمان لانے کے لیے یہ لوگ اس بات کا انتظار کر رہے ہیں کہ قیامت اِن کے سامنے آ کھڑی ہو؟

۳۰- قیامت کی علامات سے مراد وہ علامات ہیں جن سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کی آمد کا وقت اب قریب آ لگا ہے۔ ان میں سے ایک اہم علامت خدا کے آخری نبی کا آ جانا ہے جس کے بعد پھر قیامت تک کوئی اور نبی آنے والا نہیں ہے۔ بخاری، مسلم، ترمذی اور مُسندِ احمد میں حضرت انسؓ، حضرت سَہلؓ بن سَعد ساعدی اور حضرت بُرَیدہؓ کی روایات منقول ہیں کہ حضورؐ نے اپنی انگشتِ شہادت اور بیچ کی اُنگلی کھڑی کر کے فرمایا: بُعِثْتُ اَنَا وَالسَّاعَۃُ کَھَاتَیْنِ۔ ”میری بعثت اور قیامت اِن دو اُنگلیوں کی طرح ہیں“۔ یعنی جس طرح ان دو اُنگلیوں کے درمیان کوئی اور انگلی نہیں ہے، اسی طرح میرے اور قیامت کے درمیان کوئی اور نبی بھی مبعوث ہونے والا نہیں ہے۔ میرے بعد اب بس قیامت ہی آنے والی ہے۔

QuranUrdu.com

لِذَنْۢبِكَ وَلِلْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ ؕ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مُتَقَلَّبَكُمْ
وَمَثْوٰىكُمْ ﴿۱۹﴾ وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُوْرَةٌ ۚ فَاِذَآ
اُنْزِلَتْ سُوْرَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَّذُكِرَ فِيْهَا الْقِتَالُ ۙ رَاَيْتَ الَّذِيْنَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ يَّنْظُرُوْنَ اِلَيْكَ نَظَرَ الْمَغْشِيِّ عَلَيْهِ مِنَ الْمَوْتِ ؕ فَاَوْلٰى

اپنے قُصور کے لیے بھی اور مومن مردوں اور عورتوں کے لیے بھی[۳۱]۔ اللہ تمھاری سرگرمیوں کو بھی جانتا ہے اور تمھارے ٹھکانے سے بھی واقف ہے۔ ع

جولوگ ایمان لائے ہیں، وہ کہہ رہے تھے کہ کوئی سُورت کیوں نہیں نازل کی جاتی (جس میں جنگ کا حکم دیا جائے)۔ مگر جب ایک محکم سُورت نازل کر دی گئی جس میں جنگ کا ذکر تھا تو تم نے دیکھا کہ جن کے دلوں میں بیماری تھی، وہ تمھاری طرف اس طرح دیکھ رہے تھے جیسے کسی پر موت چھا گئی ہو[۳۲]۔ افسوس

۳۱- اسلام نے جو اَخلاق انسان کو سکھائے ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ بندہ اپنے رب کی بندگی و عبادت بجالانے میں، اور اس کے دین کی خاطر جان لڑانے میں، خواہ اپنی حد تک کتنی ہی کوشش کرتا رہا ہو، اس کو کبھی اِس زَعم میں مبتلا نہ ہونا چاہیے کہ جو کچھ مجھے کرنا چاہیے تھا وہ میں نے کر دیا ہے، بلکہ اسے ہمیشہ یہی سمجھتے رہنا چاہیے کہ میرے مالک کا مجھ پر جو حق تھا وہ مَیں ادا نہیں کر سکا ہوں، اور ہر وقت اپنے قصور کا اعتراف کر کے اللہ سے یہی دعا کرتے رہنا چاہیے کہ تیری خدمت میں جو کچھ بھی کوتاہی مجھ سے ہوئی ہے اس سے درگزر فرما۔ یہی اصل روح ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی کہ ”اے نبیؐ! اپنے قصور کی معافی مانگو۔“ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ معاذ اللہ، نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فی الواقع جان بُوجھ کر کوئی قصور کیا تھا۔ بلکہ اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ تمام بندگانِ خدا سے بڑھ کر جو بندہ اپنے رب کی بندگی بجا لانے والا تھا، اس کا منصب بھی یہ نہ تھا کہ اپنے کارنامے پر فخر کا کوئی شائبہ تک اس کے دل میں راہ پائے، بلکہ اس کا مَقام بھی یہ تھا کہ اپنی ساری عظیم القدر خدمات کے باوجود اپنے رب کے حضور اعترافِ قصور ہی کرتا رہے۔ اسی کیفیت کا اثر تھا جس کے تحت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ بکثرت اِستِغفار فرماتے رہتے تھے۔ ابوداؤد، نَسائی اور مُسنَدِ احمد کی رِوایَت میں حضورؐ کا یہ ارشاد منقول ہوا ہے کہ ”میں ہر روز سو بار اللہ سے اِستِغفار کرتا ہوں۔“

۳۲- مطلب یہ ہے کہ جن حالات سے اُس وقت مسلمان گزر رہے تھے، اور کفار کا جو رَوِیّہ اُس وقت اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ تھا، اس کی بنا پر جنگ کا حکم آنے سے پہلے ہی اہلِ ایمان کی عام رائے یہ تھی کہ اب ہمیں جنگ کی

QuranUrdu.com

لَهُمْ ۚ ﴿۲۰﴾ طَاعَةٌ وَّقَوْلٌ مَّعْرُوْفٌ ۚ فَاِذَا عَزَمَ الْاَمْرُ ۚ فَلَوْ صَدَقُوا اللّٰهَ
لَكَانَ خَيْرًا لَّهُمْ ﴿۲۱﴾ ۚ فَهَلْ عَسَيْتُمْ اِنْ تَوَلَّيْتُمْ اَنْ تُفْسِدُوْا
فِي الْاَرْضِ وَتُقَطِّعُوْٓا اَرْحَامَكُمْ ﴿۲۲﴾ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ

اُن کے حال پر۔ (اُن کی زبان پر ہے) اطاعت کا اقرار اور اچھی اچھی باتیں۔ مگر جب قطعی حکم دے دیا گیا، اُس وقت وہ اللہ سے اپنے عہد میں سچّے نکلتے تو انھی کے لیے اچھا تھا۔ اب کیا تم لوگوں سے اِس کے سوا کچھ اور توقع کی جا سکتی ہے کہ اگر تم اُلٹے منہ پھر گئے[۳۳] تو زمین میں پھر فساد برپا کرو گے اور آپس میں ایک دوسرے کے گلے کاٹو گے؟[۳۴] یہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی

اجازت مل جانی چاہیے۔ بلکہ وہ بے چینی کے ساتھ اللہ کے فرمان کا انتظار کر رہے تھے اور بار بار پوچھتے تھے کہ ہمیں اِن ظالموں سے لڑنے کا حکم کیوں نہیں دیا جاتا؟ مگر جو لوگ مُنَافِقَت کے ساتھ مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو گئے تھے، ان کا حال مومنوں کے حال سے بالکل مختلف تھا۔ وہ اپنی جان و مال کو خدا اور اس کے دین سے عزیز تر رکھتے تھے اور اس کے لیے کوئی خطرہ مول لینے کو تیار نہ تھے۔ جنگ کے حکم نے آتے ہی ان کو اور سچّے اہلِ ایمان کو ایک دوسرے سے چھانٹ کر الگ کر دیا۔ جب تک یہ حکم نہ آیا تھا، ان میں اور عام اہلِ ایمان میں بظاہر کوئی فرق و امتیاز نہ پایا جاتا تھا۔ نماز وہ بھی پڑھتے تھے اور یہ بھی۔ روزے رکھنے میں بھی انھیں تأمُّل نہ تھا۔ ٹھنڈا ٹھنڈا اسلام انھیں قبول تھا۔ مگر جب اسلام کے لیے جان کی بازی لگانے کا وقت آیا تو ان کے نِفاق کا حال کھل گیا اور نمایشی ایمان کا وہ لبادہ اُتر گیا جو انھوں نے اُوپر سے اوڑھ رکھا تھا۔ سورۂ نساء میں ان کی اس کیفیت کو یُوں بیان کیا گیا ہے: ''تم نے دیکھا اُن لوگوں کو جن سے کہا گیا تھا کہ اپنے ہاتھ روکے رکھو اور نماز قائم کرو اور زکوٰۃ دو؟ اب جو اُنھیں لڑائی کا حکم دے دیا گیا تو ان میں سے ایک گروہ کا حال یہ ہے کہ انسانوں سے اِس طرح ڈر رہے ہیں جیسے خدا سے ڈرنا چاہیے۔ بلکہ کچھ اس سے بھی زیادہ۔ کہتے ہیں: خدایا! یہ لڑائی کا حکم ہمیں کیوں دے دیا؟ ہمیں ابھی اور کچھ مہلت کیوں نہ دی؟'' (آیت: ۷۷)

۳۳- اصل الفاظ ہیں: اِنْ تَوَلَّيْتُمْ۔ ان کا ایک ترجمہ وہ ہے جو ہم نے اُوپر متن میں کیا ہے۔ اور دوسرا ترجمہ یہ ہے کہ ''اگر تم لوگوں کے حاکم بن گئے۔''

۳۴- اس ارشاد کا ایک مطلب یہ ہے کہ اگر اِس وقت تم اسلام کی مُدافَعت سے جی چُراتے ہو، اور اُس عظیم الشان اصلاحی انقلاب کے لیے جان و مال کی بازی لگانے سے منہ موڑتے ہو جس کی کوشش محمد صلی اللہ علیہ وسلم اور اہلِ ایمان کر رہے ہیں، تو اس کا نتیجہ آخر اِس کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے کہ تم پھر اُسی جاہلیّت کے نظام کی طرف پلٹ جاؤ جس میں تم لوگ صدیوں سے ایک دوسرے کے گلے کاٹتے رہے ہو، اپنی اولاد تک کو زندہ دفن کرتے رہے ہو، اور خدا کی زمین

QuranUrdu.com

فَاَصَمَّهُمْ وَاَعْمٰٓى اَبْصَارَهُمْ ﴿۲۳﴾ اَفَلَا يَتَدَبَّرُوْنَ الْقُرْاٰنَ اَمْ
عَلٰى قُلُوْبٍ اَقْفَالُهَا ﴿۲۴﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ ارْتَدُّوْا عَلٰٓى اَدْبَارِهِمْ مِّنْۢ
بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمُ الْهُدَى ۙ الشَّيْطٰنُ سَوَّلَ لَهُمْ ؕ وَاَمْلٰى لَهُمْ ﴿۲۵﴾

اوران کو اندھا اور بہرا بنا دیا۔ کیا ان لوگوں نے قرآن پر غور نہیں کیا، یا دلوں پر اُن کے قفل چڑھے ہوئے ہیں[۳۵]؟ حقیقت یہ ہے کہ جو لوگ ہدایت واضح ہو جانے کے بعد اُس سے پِھر گئے، اُن کے لیے شیطان نے اِس روش کو سہل بنا دیا ہے اور جُھوٹی توقعات کا سلسلہ اُن کے لیے دراز کر رکھا ہے۔

کو ظلم و فساد سے بھرتے رہے ہو۔ دوسرا مطلب یہ ہے کہ جب تمھاری سیرت و کردار کا حال یہ ہے کہ جس دین پر ایمان لانے کا تم نے اقرار کیا تھا، اس کے لیے تمھارے اندر کوئی اخلاص اور کوئی وفاداری نہیں ہے، اور اس کی خاطر کوئی قربانی دینے کے لیے تم تیار نہیں ہو، تو اِس اَخلاقی حالت کے ساتھ اگر اللہ تعالیٰ تمھیں اقتدار عطا کر دے اور دنیا کے معاملات کی باگیں تمھارے ہاتھ میں آ جائیں تو تم سے ظلم و فساد اور بَرادر کُشی کے سوا اور کس چیز کی توقع کی جا سکتی ہے۔

یہ آیت اِس امر کی صراحت کرتی ہے کہ اسلام میں قطعِ رحمی حرام ہے۔ دوسری طرف مثبت طریقے سے بھی قرآنِ مجید میں متعدِّد مقامات پر رشتہ داروں کے ساتھ حُسنِ سلوک کو بڑی نیکیوں میں شمار کیا گیا ہے اور صلۂ رحمی کا حکم دیا گیا ہے۔ (مثال کے طور پر مُلاحظہ ہو: البقرہ: ۸۳-۱۷۷، النساء: ۸-۳۶، النحل: ۹۰، بنی اسرائیل: ۲۶، النور: ۲۲) رحم کا لفظ عربی زبان میں قرابت اور رشتہ داری کے لیے استعارے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔ ایک شخص کے تمام رشتہ دار، خواہ وہ دُور کے ہوں یا قریب کے، اس کے ذَوِی الارحام ہیں۔ جس سے جتنا زیادہ قریب کا رشتہ ہو، اس کا حق آدمی پر اُتنا ہی زیادہ ہے اور اس سے قطع رحمی کرنا اُتنا ہی بڑا گناہ ہے۔ صلۂ رحمی یہ ہے کہ اپنے رشتہ داروں کے ساتھ جو نیکی کرنا بھی آدمی کی استطاعت میں ہو، اُس سے دریغ نہ کرے۔ اور قطعِ رحمی یہ ہے کہ آدمی اس کے ساتھ بُرا سلوک کرے، یا جو بھلائی کرنا اس کے لیے ممکن ہو، اس سے قصداً پہلوتہی کرے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اِسی آیت سے اِستِدلال کر کے اُمِّ وَلَد کی بَیع کو حرام قرار دیا تھا اور صحابۂ کرامؓ نے اس سے اتفاق فرمایا تھا۔ حاکم نے مُستَدرَک میں حضرت بُرَیدہؓ سے یہ رِوایت نقل کی ہے کہ ایک روز میں حضرت عمرؓ کی مجلس میں بیٹھا تھا کہ یکایک محلّے میں شور مچ گیا۔ دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ ایک لونڈی فروخت کی جا رہی ہے اور اس کی لڑکی رو رہی ہے۔ حضرت عمرؓ نے اُسی وقت انصار و مہاجرین کو جمع کیا اور ان سے پوچھا کہ جو دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم لائے ہیں، کیا اس میں آپ حضرات کو قطعِ رحمی کا بھی کوئی جواز ملتا ہے؟ سب نے کہا: نہیں۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: پھر یہ کیا بات ہے کہ آپ کے ہاں ماں کو بیٹی سے جُدا کیا جا رہا ہے؟ اس سے بڑی قطعِ رحمی اور کیا ہو سکتی ہے؟ پھر آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ لوگوں نے کہا: آپ کی رائے میں اس کو روکنے کے لیے جو صورت مناسب ہو، وہ

QuranUrdu.com

ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ قَالُوْا لِلَّذِيْنَ كَرِهُوْا مَا نَزَّلَ اللّٰهُ سَنُطِيْعُكُمْ فِيْ بَعْضِ
الْاَمْرِ ۚ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِسْرَارَهُمْ ﴿۲۶﴾ فَكَيْفَ اِذَا تَوَفَّتْهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ
يَضْرِبُوْنَ وُجُوْهَهُمْ وَاَدْبَارَهُمْ ﴿۲۷﴾ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ

اِسی لیے انھوں نے اللہ کے نازل کردہ دین کو ناپسند کرنے والوں سے کہہ دیا کہ بعض معاملات میں ہم تمھاری مانیں گے[۳۶]۔ اللہ اُن کی یہ خفیہ باتیں خوب جانتا ہے۔ پھر اس وقت کیا حال ہوگا جب فرشتے ان کی رُوحیں قبض کریں گے اور اِن کے مُنہ اور پیٹھوں پر مارتے ہوئے انھیں لے جائیں گے[۳۷]؟ یہ اسی لیے تو ہوگا کہ انھوں نے اُس طریقے کی پیروی کی جو اللہ کو ناراض کرنے والا ہے

اختیار فرمائیں۔ اِس پر حضرت عمرؓ نے تمام بِلادِ اسلامیہ کے لیے یہ فرمانِ عام جاری کر دیا کہ کسی ایسی لونڈی کو فروخت نہ کیا جائے جس سے اس کے مالک کے ہاں اولاد پیدا ہو چکی ہو، کیونکہ یہ قطعِ رحمی ہے اور یہ حلال نہیں ہے۔

۳۵- یعنی یا تو یہ لوگ قرآنِ مجید پر غور نہیں کرتے، یا غور کرنے کی کوشش تو کرتے ہیں مگر اس کی تعلیمات اور اس کے معانی و مطالب ان کے دلوں میں اُترتے نہیں ہیں، کیونکہ ان کے دلوں پر قفل چڑھے ہوئے ہیں۔ اور یہ جو فرمایا کہ ”دلوں پر اُن کے قفل چڑھے ہوئے ہیں“ تو اس کا مطلب یہ ہے کہ ان پر وہ قفل چڑھے ہوئے ہیں جو ایسے حق ناشناس دلوں کے لیے مخصوص ہیں۔

۳۶- یعنی ایمان کا اقرار کرنے اور مسلمانوں کے گروہ میں شامل ہو جانے کے باوجود وہ اندر ہی اندر دشمنانِ اسلام سے ساز باز کرتے رہے اور ان سے وعدے کرتے رہے کہ بعض معاملات میں ہم تمھارا ساتھ دیں گے۔

۳۷- یعنی دنیا میں تو یہ طرزِ عمل انھوں نے اس لیے اختیار کر لیا کہ اپنے مفادات کی حفاظت کرتے رہیں اور کفر و اسلام کی جنگ کے خطرات سے اپنے آپ کو بچائے رکھیں، لیکن مرنے کے بعد یہ خدا کی گرفت سے بچ کر کہاں جائیں گے؟ اُس وقت تو ان کی کوئی تدبیر فرشتوں کی مار سے ان کو نہ بچا سکے گی۔

یہ آیت بھی اُن آیات میں سے ہے جو عذابِ بَرزَخ (یعنی عذابِ قبر) کی تصریح کرتی ہیں۔ اس سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ موت کے وقت ہی کفار و منافقین پر عذاب شروع ہو جاتا ہے، اور یہ عذاب اُس سزا سے مختلف چیز ہے جو قیامت میں ان کے مُقدّمے کا فیصلہ ہونے کے بعد اُن کو دی جائے گی۔ مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: النساء: آیت ۹۷، الاَنعام: ۹۳-۹۴، الانفال: ۵۰، النحل: ۲۸-۳۲، المومنون: ۹۹-۱۰۰، یٰسین: ۲۶-۲۷ (مع حاشیہ ۲۲، ۲۳)، المومن: ۴۶ (مع حاشیہ ۶۳)

QuranUrdu.com

ع ۲ ۹ ۷

اللّٰهَ وَ كَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ ﴿۲۸﴾ اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ فِيْ
قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ اَنْ لَّنْ يُّخْرِجَ اللّٰهُ اَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾ وَلَوْ نَشَآءُ
لَاَرَيْنٰكَهُمْ فَلَعَرَفْتَهُمْ بِسِيْمٰهُمْ ؕ وَلَتَعْرِفَنَّهُمْ فِيْ لَحْنِ الْقَوْلِ ؕ وَاللّٰهُ
يَعْلَمُ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۰﴾ وَ لَنَبْلُوَنَّكُمْ حَتّٰى نَعْلَمَ الْمُجٰهِدِيْنَ مِنْكُمْ
وَالصّٰبِرِيْنَ ۙ وَ نَبْلُوَاْ اَخْبَارَكُمْ ﴿۳۱﴾ اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا
عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَ شَآقُّوا الرَّسُوْلَ مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ

اور اُس کی رضا کا راستہ اختیار کرنا پسند نہ کیا۔ اِسی بنا پر اُس نے ان کے سب اعمال ضائع کر دیے۔[۳۸] ع

کیا وہ لوگ جن کے دلوں میں بیماری ہے، یہ سمجھے بیٹھے ہیں کہ اللہ ان کے دلوں کے کھوٹ ظاہر نہیں کرے گا؟ ہم چاہیں تو انھیں تم کو آنکھوں سے دکھا دیں اور اُن کے چہروں سے تم ان کو پہچان لو۔ مگر ان کے اندازِ کلام سے تو تم ان کو جان ہی لو گے۔ اللہ تم سب کے اعمال سے خوب واقف ہے۔ ہم ضرور تم لوگوں کو آزمایش میں ڈالیں گے، تاکہ تمھارے حالات کی جانچ کریں اور دیکھ لیں کہ تم میں مجاہد اور ثابت قدم کون ہیں۔

جن لوگوں نے کفر کیا اور اللہ کی راہ سے روکا اور رسول سے جھگڑا کیا جب کہ ان پر راہِ راست

۳۸- اعمال سے مراد وہ تمام اعمال ہیں جو مسلمان بن کر وہ انجام دیتے رہے۔ ان کی نمازیں، ان کے روزے، ان کی زکوٰۃ، غرض وہ تمام عبادتیں اور وہ ساری نیکیاں جو اپنی ظاہری شکل کے اعتبار سے اعمالِ خیر میں شمار ہوتی تھیں، اِس بنا پر ضائع ہو گئیں کہ انھوں نے مسلمان ہوتے ہوئے بھی اللہ اور اُس کے دین اور ملّتِ اسلامیہ کے ساتھ اخلاص و وفاداری کا رَوِیّہ اختیار نہ کیا، بلکہ محض اپنے دنیوی مفاد کے لیے دشمنانِ دین کے ساتھ ساز باز کرتے رہے اور اللہ کی راہ میں جہاد کا موقع آتے ہی اپنے آپ کو خطرات سے بچانے کی فکر میں لگ گئے۔

یہ آیات اِس معاملے میں بالکل ناطق ہیں کہ کفر و اسلام کی جنگ میں جس شخص کی ہمدردیاں اسلام اور مسلمانوں کے ساتھ نہ ہوں، یا کفر اور کفار کے ساتھ ہوں، اس کا ایمان ہی سرے سے معتبر نہیں ہے، کجا کہ اس کا کوئی عمل

QuranUrdu.com

لَهُمُ الْهُدٰى ۙ لَنْ يَّضُرُّوا اللّٰهَ شَيْـًٔا ؕ وَسَيُحْبِطُ اَعْمَالَهُمْ ﴿۳۲﴾ يٰۤاَيُّهَا
الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَاَطِيْعُوا الرَّسُوْلَ وَلَا تُبْطِلُوْۤا اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۳﴾
اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ مَاتُوْا وَهُمْ
كُفَّارٌ فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ ﴿۳۴﴾ فَلَا تَهِنُوْا وَتَدْعُوْۤا اِلَى السَّلْمِ ۖۚ
وَاَنْتُمُ الْاَعْلَوْنَ ۚ وَاللّٰهُ مَعَكُمْ وَلَنْ يَّتِرَكُمْ اَعْمَالَكُمْ ﴿۳۵﴾

واضح ہو چکی تھی، درحقیقت وہ اللہ کا کوئی نقصان بھی نہیں کر سکتے، بلکہ اللہ ہی ان کا سب کیا کرایا غارت کر دے گا۔[۳۹] اے لوگو جو ایمان لائے ہو، تم اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو اور اپنے اعمال کو برباد نہ کر لو۔[۴۰] کفر کرنے والوں اور راہِ خدا سے روکنے والوں اور مرتے دم تک کفر پر جمے رہنے والوں کو تو اللہ ہرگز معاف نہ کرے گا۔ پس تم بودے نہ بنو اور صلح کی درخواست نہ کرو۔[۴۱] تم ہی غالب رہنے والے ہو۔ اللہ تمھارے ساتھ ہے اور تمھارے اعمال کو وہ ہرگز ضائع نہ کرے گا۔

خدا کے ہاں مقبول ہو۔

۳۹- اس فقرے کے دو مطلب ہیں: ایک یہ کہ جن کاموں کو انھوں نے اپنے نزدیک نیک سمجھ کر کیا ہے، اللہ ان سب کو ضائع کر دے گا اور آخرت میں اُن کا کوئی اجر بھی وہ نہ پا سکیں گے۔ دوسرا مطلب یہ کہ جو تدبیریں بھی وہ اللہ اور اس کے رسُولؐ کے دین کا راستہ روکنے کے لیے کر رہے ہیں، وہ سب ناکام و نامراد ہو جائیں گی۔

۴۰- بالفاظِ دیگر، اعمال کے نافع اور نتیجہ خیز ہونے کا سارا انحصار اللہ اور اس کے رسُولؐ کی اطاعت پر ہے۔ اطاعت سے منحرف ہو جانے کے بعد کوئی عمل بھی عملِ خیر نہیں رہتا کہ آدمی اس پر کوئی اجر پانے کا مستحق ہو سکے۔

۴۱- یہاں یہ بات نگاہ میں رہنی چاہیے کہ یہ ارشاد اُس زمانے میں فرمایا گیا ہے جب صرف مدینے کی چھوٹی سی بستی میں چند سو مہاجرین و انصار کی ایک مٹھی بھر جمعیّت اسلام کی عَلَم برداری کر رہی تھی اور اس کا مقابلہ محض قریش کے طاقتور قبیلے ہی سے نہیں بلکہ پُورے ملکِ عرب کے کفار و مشرکین سے تھا۔ اس حالت میں فرمایا جا رہا ہے کہ ہمت ہار کر اِن دشمنوں سے صلح کی درخواست نہ کرنے لگو، بلکہ سر دھڑ کی بازی لگا دینے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ اس ارشاد کا یہ مطلب نہیں ہے کہ مسلمانوں کو کبھی صلح کی بات چیت کرنی ہی نہ چاہیے۔ بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ایسی حالت میں صلح کی سلسلۂ جنبانی کرنا درست نہیں ہے جب اُس کے معنٰی اپنی کمزوری کے اظہار کے ہوں اور اُس سے دشمن اور زیادہ

QuranUrdu.com

اِنَّمَا الْحَيٰوةُ الدُّنْيَا لَعِبٌ وَّ لَهْوٌ ؕ وَ اِنْ تُؤْمِنُوْا وَ تَتَّقُوْا
يُؤْتِكُمْ اُجُوْرَكُمْ وَ لَا يَسْـَٔلْكُمْ اَمْوَالَكُمْ ﴿۳۶﴾ اِنْ يَّسْـَٔلْكُمُوْهَا
فَيُحْفِكُمْ تَبْخَلُوْا وَ يُخْرِجْ اَضْغَانَكُمْ ﴿۳۷﴾ هٰۤاَنْتُمْ هٰۤؤُلَآءِ تُدْعَوْنَ
لِتُنْفِقُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ۚ فَمِنْكُمْ مَّنْ يَّبْخَلُ ۚ وَ مَنْ يَّبْخَلْ
فَاِنَّمَا يَبْخَلُ عَنْ نَّفْسِهٖ ؕ وَ اللّٰهُ الْغَنِيُّ وَ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ ۚ

یہ دنیا کی زندگی تو ایک کھیل اور تماشا ہے[۴۲]۔ اگر تم ایمان رکھو اور تقویٰ کی رَوِش پر چلتے رہو تو اللہ تمھارے اجر تم کو دے گا اور وہ تمھارے مال تم سے نہ مانگے گا[۴۳]۔ اگر کہیں وہ تمھارے مال تم سے مانگ لے اور سب کے سب تم سے طلب کر لے تو تم بخل کرو گے اور وہ تمھارے کھوٹ اُبھار لائے گا[۴۴]۔ دیکھو تم لوگوں کو دعوت دی جا رہی ہے کہ اللہ کی راہ میں مال خرچ کرو۔ اِس پر تم میں سے کچھ لوگ ہیں جو بُخل کر رہے ہیں، حالانکہ جو بخل کرتا ہے وہ درحقیقت اپنے آپ ہی سے بخل کر رہا ہے۔ اللہ تو غنی ہے، تم ہی اس کے محتاج ہو۔

دلیر ہو جائیں۔ مسلمانوں کو پہلے اپنی طاقت کا لوہا منوا لینا چاہیے، اس کے بعد وہ صلح کی بات چیت کریں تو مضایقہ نہیں۔

۴۲- یعنی آخرت کے مقابلے میں اِس دنیا کی حیثیت اس سے زیادہ کچھ نہیں ہے کہ چند روز کا دل بہلاوا ہے۔ یہاں کی کامرانی و ناکامی کوئی حقیقی اور پائدار چیز نہیں ہے جسے کوئی اہمیّت حاصل ہو۔ اصل زندگی آخرت کی ہے جس کی کامیابی کے لیے انسان کو فکر کرنی چاہیے۔ (مزید تشریح کے لیے مُلاحظہ ہو: تفہیم القرآن، جلد سوم، تفسیر سورۂ عنکبوت، حاشیہ ۱۰۲)

۴۳- یعنی وہ غنی ہے، اسے اپنی ذات کے لیے تم سے لینے کی کچھ ضرورت نہیں ہے۔ اگر وہ اپنی راہ میں تم سے کچھ خرچ کرنے کے لیے کہتا ہے تو وہ اپنے لیے نہیں بلکہ تمھاری ہی بھلائی کے لیے کہتا ہے۔

۴۴- یعنی اتنی بڑی آزمایش میں وہ تمھیں نہیں ڈالتا جس سے تمھاری کمزوریاں اُبھر آئیں۔

QuranUrdu.com

وَ اِنْ تَتَوَلَّوْا يَسْتَبْدِلْ قَوْمًا غَيْرَكُمْ ۙ ثُمَّ لَا يَكُوْنُوْٓا اَمْثَالَكُمْ ﴿۳۸﴾ ع

ع ۴ ۱۰ ۸

اگر تم منہ موڑو گے تو اللہ تمھاری جگہ کسی اور قوم کو لے آئے گا اور وہ تم جیسے نہ ہوں گے ع